سفینہ و ساحل

عزیز وارثی بچھرایونی

مکتبہ شان ہند دہلی

طبع اوّل .... ایک ہزار

جنوری سنہ ۱۹۵۱ء

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

پبلشرز

مکتبہ شانِ ہند دہلی

مطبوعہ دِلّی پرنٹنگ ورکس دہلی

فہرست مضامین "سفینۂ ساحل"

نوجوان شاعروں میں ایک کمی ضرور پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ نکاتِ فن کی طرف توجّہ کم ہے۔ اور مطالعہ اتنا وسیع اور متنوع نہیں ہوتا جس کی شاعر کے لئے ضرورت ہے۔ مشاہدے سے بھی کم کام لیا جاتا ہے حقائق نظری اور جذبات کی کثرت اور شدّت غور و فکر کو پورا کام کرنے نہیں دیتی۔ اس وجہ سے بعض خامیاں رہ جاتی ہیں۔ جو نہ ہوتیں۔ تو اچھّا تھا۔ بلند آہنگ الفاظ اور عجیب و غریب ترکیبوں کا جادو بھی نظر کو خیرہ کر دیتا ہے۔ اور شاعر اپنے کلام کو نظرِ ثانی سے مستفید نہیں کر سکتا۔

مگر عزیز صاحب نے ایسے ماہرِ فن کا دامن پکڑا ہے۔ اور ان کا مذاقِ سخن اتنا سلیم ہے کہ وہ ان پا لغزوں سے بچنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ جس کا ابھی ذکر ہوا۔ وہ خوش گو اور خوش کلام سخن گو ہیں اور ادب کو ان سے بہت اُمیدیں ہیں:

کیفی

عزیزالقدر

ناخدائے سخن فصیح العصر تاج الشعرا حضرت نوح ناروی مدظلہ

سات آٹھ سال ہوتے ہیں۔ جب میں لائل پور کے مشاعرے سے واپس ہو کر دلّی میں بھائی سائل صاحب کے دولت خانے پر مقیم تھا۔ اُس وقت عزیز صاحب وارثی سے وہیں ملاقات ہوئی۔ کچھ غزلیں اُنھوں نے سائل صاحب کو دکھائی تھیں۔ کہ اُنھیں کے فرمانے سے باضابطہ یہ میرے شاگرد ہو گئے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پھر انھوں نے اپنا کلام سائل صاحب کو نہیں دکھایا۔ مشاعروں کے لئے جب کافی وقت ہوتا تھا۔ تو یہ اپنا کلام اصلاح کے لئے میرے پاس بھیج دیتے تھے اور جب مشاعرے کی تاریخ قریب ہوتی تھی۔ تو ان کے کلام کو سائل صاحب دیکھ لیتے تھے۔ اب اُن کے انتقال کے بعد سے صرف میں ان کا کلام دیکھتا ہوں۔ اور حسب موقع الفاظ کی ترمیم و تنسیخ کرتا ہوں۔ دِلّی جیسے مقام میں معمولی شخص کا کام نہیں کہ وہ طبقۂ شعرا میں اپنے لئے کوئی جگہ پیدا کر سکے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ میری طرح عزیز کو بھی ہر شخص وقعت کے ساتھ عزیز سمجھتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس میں کچھ خوبیاں ہوتی ہیں۔ اس کا اثر عام طور سے قبول کیا جاتا ہے۔ میں ان کی ترقی، ان کی ہر دلعزیزی، ان کے حسنِ کلام کو دیکھ کر اپنے دل میں خوش ہوتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حضراتِ دہلی بھی ان کا وقار کرتے ہیں۔ اور اپنے سے کسی صورت میں بھی ان کو جدا نہیں سمجھتے۔

ماشاء اللہ یہ غزل بھی خوب لکھتے ہیں۔ اور نظم بھی بہت اچھی کہتے ہیں۔ اور

نہایت خوش آوازی سے پڑھتے بھی ہیں۔ اکثر مشاعروں میں ان کا کلام وقعت سے دیکھا گیا۔ اور حاضرین نے بہت کچھ داد دی۔ اکثر سے میرا یہ مطلب ہے۔ کہ جن مشاعروں میں میں بھی موجود تھا۔ ورنہ عام طور سے ان کا کلام مقبول خاص وعام ہے

غرض عزیز صاحب میرے خیال میں خدا کے فضل اور اپنی محنت وکوشش کی بدولت ایک مکمّل شاعر ہیں۔ اگر میرا دیا ہوا خطاب کوئی اہمیت رکھتا ہے تو میں ان کو عزیز القدر کا خطاب ان کے نام کی رعایت سے دیتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے۔ کہ میرے احباب اور میرے شاگرد ہمیشہ انھیں اس خطاب سے مخاطب کریں گے۔

فی الحال ان کی کچھ غزلیں اور کچھ نظمیں کتابی صورت میں شائع ہو رہی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اس میری تحریر میں کہاں تک صداقت ہے۔ اب میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے کلام کو اور بھی مقبولیت عطا کرے۔ اور یہ بہت دنوں تک زندہ رہ کر ادبی خدمت اسی انہماک کے ساتھ کرتے رہیں۔ فقط

نوح ناروی مقام دہلی
۱۹ر اگست سنہ ۱۹۵۰ء

تقریظ

عالیجناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ بی اے ایس

عزیز احمد عزیزؔ وارثی بچھرایونی سے پہلے پہل میری ملاقات ایک مشاعرے ہی میں ہوئی تھی۔ اور ہونی بھی چاہیئے تھی۔ کیونکہ آپ کا کلام اور شیرینیٔ ترنم سونے پر سُہاگہ کے قول کو پُورا کرتے ہیں۔ پہلی ملاقات کے بعد اکثر و بیشتر عزیزؔ صاحب کو مشاعروں میں سُننے کا اتفاق ہوتا رہا۔ آپ کا طرحی کلام اور غیر طرحی کلام سُنا ہر مشاعرے یا مخصوص نشست میں آپ اپنا رنگ جماتے رہے۔ آپ کے کلام میں ایک کیف تھا۔ اور ترنّم میں محبوبیت ــ یوں تو مشاعروں میں طرح طرح کا کلام سننے کا اتفاق ہوتا ہے۔ جہاں شعراء دل سے بھی کہتے ہیں۔ اور دماغ سے بھی۔ لیکن میں نے عزیزؔ صاحب کے کلام کو ہمیشہ ایک مقصد لئے ہوئے پایا۔

جہاں بابائے اُردو، علامّہ کیفی اور ناخدائے سخن نوحؔ ناروی صاحب ایسی ہستیوں نے آپ کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔ وہاں میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ کہ عزیزؔ صاحب کے کلام کی خصوصیات پر کچھ اور لکھوں۔ البتّہ عزیزؔ صاحب کی ادبی خدمات کا ذکر ناضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے آپ کی خدمات سے اکثر مشاعروں میں، بالخصوص جشن جمہوریت میں کافی فائدہ اُٹھایا۔ جشن جمہوریت

ایسے ہمہ گیر جشن اور مشاعرہ کا بوجھ کافی حد تک عزیزؔ صاحب کے کاندھوں پر ڈالا گیا تھا۔ عزیزؔ صاحب نے رات دن ایک کر دیا۔ اور جشن کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ جب بھی کوئی ادبی خدمت عزیزؔ صاحب کے سپرد کی گئی۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور تندہی سے انجام دی۔ اُردو ادب کو ایسے ہونہار اور صادق خدمت گذاروں کی ضرورت ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جہاں عزیزؔ صاحب کا کلام نوجوان شعراء کے لئے مشعلِ راہ بنے گا۔ وہاں آپ کا جذبۂ خدمت دلدادگانِ ادب کی رہنمائی بھی کرے گا۔ دُعا ہے کہ عزیزؔ صاحب پھلیں اور پھولیں۔

دُعاگو

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

دہلی

۲۲ر دسمبر ۱۹۵۰ء

تعرّف

از پروفیسر آنند موہن زتشی گلزار دہلوی ایم، اے

قریب چھ سال ہوئے کہ چچا اُستاد قبلہ ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی مرحوم بہت علیل تھے اور میں حسب معمول انکی خدمت میں حاضر تھا۔ ان دنوں لائل پور کے مشاعرہ سے واپسی پر قبلہ استاد نوح ناروی صاحب بھی کچھ ایام کیلئے نواب صاحب کے یہاں ہی مقیم تھے میں نواب صاحب کی مزاج پُرسی کے بعد چچا نوح صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ وہاں ایک جانی پہچانی صورت اور بھی نظر آئی کہ سراپا نیاز و عقیدت نوح صاحب کی خدمت میں حاضر ہے گفتگو کے چند ہی منٹ بعد یہ بات بھی مجھ پر عیاں ہوگئی کہ میرے یہ واقف چچا نوح صاحب کے شاگرد بھی ہیں، اور دادا اُستاد فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی کے سلسلہ کی نسبت سے میرے بھائی بھی ہیں۔ یہ تھی جناب عزیز صاحب عزیز وارثی سے میری پہلی قریبی ملاقات جو دوستی میں رو بہ انجام ہوئی۔ دل سے دل کو راہ ہے بس بالکل اسی کے مصداق چار پانچ مہینہ میں ہی یہ مجھے اور میں انھیں سمجھ گئے اور ہمارے برادرانہ و دوستانہ مراسم محکم ہوتے چلے گئے۔ یوں تو جب ہی سے میں ان کا کلام سنتا رہا ہوں مگر قریب دو برس ہوتے ہیں جب انھوں نے نہایت دھڑتے سے اور زور شور سے مشاعروں میں اپنے شعر و شاعری کے جوہر دکھانے شروع کئے۔ اور نوجوان شعراء میں اپنی جگہ پیدا کرنے لگے۔ اور کیوں نہ کرتے۔ آخر ہیں بھی اسی مردم خیز خطہ کی پیدائش، جہاں کے اکثر افراد نے علم و ادب میں اپنی نمایاں جگہ حاصل کی ہے یعنی قصبہ بچھرایوں ضلع مراد آباد جہاں پروفیسر حامد حسن قادری جیسے نقّاد نے آنکھ کھولی ہے۔ اسی سرزمین کے عزیز وارثی ایک شاداب گل ہیں۔ خدمتِ ادب کی بساط پر مشاعروں اور کانفرنسوں کے انعقاد و اہتمام میں بھی انھوں نے ان دو برسوں میں میرے قدم بقدم بڑی بڑی خدمات

پیش کیں۔ یوم غالب ۔ یوم ظفر۔ یوم چکبست اور دیگر بہت سے ادبی اجتماعات کی کامیابی میں ان کا پورا پورا اور نمایاں ہاتھ رہا ہے۔

عزیز صاحب میں جہاں ایک خوبی شاعری کی ہے وہاں انکا حسنِ اخلاق بزرگوں کیلئے ادب واحترام، دوستوں کیلئے بے لوث محبت اور رواداری وہ اوصاف ہیں جو عزیز کو ہر دلعزیز بنا چکے ہیں۔ مجھے یہ اس لئے اور بھی عزیز ہیں کہ میرے والد قادر الکلام علاّمہ پروفیسر تربھون ناتھ صاحب زتشی زآر دہلوی مدظلہٗ ومیرے استاد محترم بابائے اُردو علاّمہ عصر پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی مدظلہٗ حضرات کے بہت زیادہ عقیدت مند ہیں۔ اور دہلویت کے مقلّد ہیں۔ یہی نہیں بلکہ عزیز شریف ابن شریف ہیں آپکے دادا چودھری خادم حسین خانصاحب اور نانا چودھری محب اللہ خانصاحب بڑے زمیندار اور نیکونام شرفا تھے۔ دادا بفضلِ تعالیٰ حیات ہیں۔ مگر ان کی والدہ ووالد چودھری نظیر حسین خانصاحب انھیں سولہ برس کی عمر ہی میں یتیم چھوڑ گئے تھے۔ مگر واہ رے شفقت برادرانہ کہ ان کے برادر بزرگ صغیر احمد صاحب نے جو آجکل ہمدرد دواخانہ دہلی کے اسسٹنٹ مینیجر ہیں۔ انھیں نہایت لاڈ اور چاؤ سے پرورش کیا۔ نیز آج تک انکے مشفق سرپرست ہیں۔ اور بقول عزیز صاحب کہ انھیں والدین کی جُدائی کا احساس تک پیدا نہیں ہونے دیا

چونکہ حاجی حضرت اوگھٹ شاہ صاحب وارثی سے مرید ہیں۔ اس لئے شاعری میں اکثر جگہ صوفیانہ اثرات نمایاں ہیں۔ عزیز کے یہاں جذبات کی سادگی، اسلوب کی سلاست نمایاں ہے۔ البتہ کہیں کہیں الفاظ کی آہنگ کی طرف توجہ بٹ گئی ہے۔ علاّمہ کیفی، حضرت نوح ناروی اور قبلہ اوگھٹ شاہ صاحب وارثی کے تبرکات زینت انتخاب ہونے کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ مگر شاعر کا تعارف بھی ایک ضروری فرض ہوتا ہے جس کی ادائیگی میرے سپرد کی گئی ہے اس لئے نہیں کہ میں کوئی ادبی ستار ہوں۔ توبہ توبہ ہرگز نہیں۔ صرف مبتدیان سے کچھ آگے کا طالب علم اور جوئیندۂ فن

ہوں۔ ابھی تو گلزار ہستی کی گل پچیس بہاریں دیکھی ہیں سلو ربس'' بلکہ اسلئے عرض پرواز ہوں کہ عزیز القدر جناب عزیزؔ وارثی کی خواہش تھی۔ کہ آپ کا تعرّف اپنے احباب میں سے قریب قریب کسی ہم عمر اور کم وبیش ہمعصر کی قلم سے تحریر ہو۔ اس کام کے لئے عزیزؔ نے مجھے منتخب کیا۔ اور میں بخوشی رضامند ہو گیا۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج کل دہلی و قرب وجوار میں جو مشاعروں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ ان سب میں عزیز صاحب کی شرکت لابدی ہو چکی ہے۔ آپ بڑی کامیابی سے مشاعرہ پر چھاکر غزل پڑھتے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر کئے جانے والے مشاعروں میں بھی اب تک کئی مرتبہ اپنا کلام ملک والوں کو سنا چکے ہیں۔ علاوہ ازیں کافی نظمیں، غزلیں ملک کے بہترین ماہناموں و ہفت روزہ پرچوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

عزیزؔ کے کلام کا یہ پہلا انتخاب ہے۔ جو انتہائی آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے جس کا ''سفینہ'' مضبوط اور ناخدا ''نوح'' ہو تو اسے ''ساحل'' نصیب کیسے نہ ہو۔ اسی اعتبار سے اپنی اس تصنیف کا نام بھی انھوں نے ''سفینہ و ساحل'' رکھا ہے۔ جس میں جذبات کا بحرِ ذخار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

میں بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ انھیں اس سے کہیں زیادہ علم و ترقی اور شہرت عامّہ کی سند عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

نیازمند

گلزار دہلوی

۲۰ دسمبر ۱۹۵۰ء

عرضِ ناشر

حضرت بیدم شاہ وارثی رح مجھے اپنے بیٹے کی مانند عزیز سمجھتے تھے۔ وہ ہر سال کچھ دنوں کیلئے جالندھر تشریف لایا کرتے تھے۔ جالندھر میں جتنی مدت ان کا قیام رہتا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں جب اُن کا پہلا مجموعۂ کلام "مصحفِ بیدم" جالندھر میں چھپا۔ تو اس مجموعہ کی ترتیب اور طباعت کے تمام مرحلے میرے ہاتھوں طے ہوئے۔

حضرت بیدم شاہ وارثی رح کے اوصافِ حمیدہ نے میرے دل پر اتنے اچھے نقش بٹھائے ہیں۔ کہ میں وارثی سلسلہ کے ہر فرد کی قدر کرتا ہوں۔

تقسیم ملک کے بعد جب دہلی کو مسکن بنانا پڑا تو یہاں کے نوجوان شعرا میں عزیز وارثی کو پیش پیش پایا۔ اکثر مشاعروں اور ادبی اجتماعوں میں انسے ملاقات ہوتی رہی۔ اور ہر محفل میں انکو ایک کامیاب شاعر پایا۔ گذشتہ تین سال کے عرصہ میں عزیز نے مجھے جانچا اور میں نے انہیں پرکھا اور جب عزیز نے مجھے خادمانِ وارث کا ہمدرد پایا اور میں نے عزیز میں اُن تمام اوصاف کو بدرجۂ اتم پایا۔ جو وارثی سلسلہ کے کسی بھی فرد میں ہونے ضروری ہیں۔ تو ہم ایک دوسرے کے بہت قریب ہوگئے۔ اور آج ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنا سمجھتے ہیں۔

"مکتبہ شانِ ہند" کو قائم ہی اسلئے کیا گیا ہے کہ اچھے نوجوان شعرا اور افسانہ نویسوں کے کلام اور افسانوں کو کتابی شکل میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہندوستان کے مشہور نوجوان شاعر رعنا جگی کا مجموعۂ کلام "رعنائیاں" شائع ہو کر قبولِ خاص و عام ہو چکا ہے۔

رعنا کے بعد میری نظر عزیز وارثی پر پڑی اور میں نے ان سے گذارش کی کہ وہ اپنا مجموعۂ کلام "مکتبہ شانِ ہند" کی طرف سے شائع کرنیکی اجازت دیں۔ چنانچہ انھوں نے نہایت خوشی سے اپنا تمام کلام میرے سپرد کردیا۔ اور میں اسمیں سے کچھ انتخاب شدہ کلام "سفینہ و ساحل" کے نام سے کتابی شکل میں پیش کر رہا ہوں۔ "سفینہ و ساحل" کیا ہے؟ میں کیا عرض کر سکتا ہوں کیونکہ ع: "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"

۲۴ دسمبر ۱۹۵۰ء — دیا پرکاش سرور تونسوی۔ ناظم مکتبہ شانِ ہند دہلی

غزلیات

ضیائے شمس و قمر سے پہلے وجودِ کون و مکاں سے پہلے
مری تجلّی تھی جلوہ فرما زمیں سے پہلے زماں سے پہلے

اُسے مٹانے کی سعیِ پیہم فضول ہے والیانِ گلشن
تڑپ کے بجلی گری ہو جس پر تصوّرِ آشیاں سے پہلے

الم ہی عنواں الم ہی مضموں الم ہی اوّل الم ہی آخر
بتاؤ آخر سناؤں تم کو فسانۂ غم کہاں سے پہلے

جہاں وہ بجلی چمک رہی ہے جہاں دُھواں سا بھی اُٹھ رہا ہے
وہیں تھا اے ہمنشیں نشیمن ہمارا دَورِ خزاں سے پہلے

رہِ طلب میں قسم خدا کی قسم خدا کی رہِ طلب میں
بہت ہی بے کیف زندگی تھی عزیز دردِ نہاں سے پہلے

مجھے حدیثِ بہار و خزاں نہیں معلوم
وہ مہرباں ہے کہ نامہرباں نہیں معلوم
یہ کیوں ہے رُوح مری شادماں نہیں معلوم
یہ کون دِل میں ہوا میہماں نہیں معلوم
نگاہِ ناز کی بیباکیاں نہیں معلوم
اُڑا کے لے گئیں دل کو کہاں نہیں معلوم
بس اتنا یاد ہے دیکھا تھا ہم نے جلوۂ حُسن
نظر یہ آیا تھا منظر کہاں نہیں معلوم
سمجھ رہا ہوں اِسی گلستاں کو اپنا وطن
مگر کہاں تھا مرا آشیاں نہیں معلوم
بھُلا دیئے تری اُلفت نے سب نشیب و فراز
زمیں کہاں ہے کدھر آسماں نہیں معلوم
نفس کی آمد و شد پر ہے انحصارِ حیات
سمندِ عمر کی جولانیاں نہیں معلوم

تجلیٔ مہ و انجم کو جانتا ہوں مگر
تمہارے حُسن کی رعنائیاں نہیں معلوم

مری زباں میں سُنائیں گے داستاں اپنی
جو کہہ رہے ہیں کہ تیری زباں نہیں معلوم

فریبِ رنگِ بہارِ چمن خُدا کی پناہ
کہاں تھی دامنِ گل میں خزاں نہیں معلوم

عزیزؔ عشق میں ہرچند ہے مجاہدِ ذوق
مگر قیود نماز و اذاں نہیں معلوم

جگر کے داغوں کو فرطِ غم میں جو اہلِ اُلفت عیاں کریںگے
جہاں جہاں گلستاں نہیں ہے وہاں وہاں گلستاں کریںگے
اثر محبّت کا رائگاں ہو کبھی نہ ایسا گماں کریں گے
غبار بنکر اُڑے گی دُنیا اگر کبھی ہم فغاں کریں گے
ہزار پردوں کی بندشیں کیا کمالِ ذوقِ نظر کے آگے
مگر جو ہیں طالبِ نظارہ نہ ہُوں کریںگے نہ ہاں کریںگے
کہے گا وہ بار بار ہم سے سُنائے جاؤ سُنائے جاؤ
کچھ اس طرح اُسکی انجمن میں حقیقتِ دِل بیاں کریںگے
مذاقِ فطرت کی آڑ لیکر مئے محبّت کے جام پی کر
سکونِ قلبِ حزیں کی خاطر نفس نفس کو جواں کریںگے
طرح طرح کے فریب کھائے گلوں کو راز آشنا سمجھ کر
چمن میں جو خار و خس ہیں باقی اُنھیں ہی اب رازداں کریںگے
عزیز وارث کا نام لیوا عزیز ہیں نوح کا ہوں خادم
حریف میرے وقار میرا جہاں میں کیا رائیگاں کریں گے

اے دوست مرا ہر تارِ نفس فردوس بداماں ہوتا ہے
جب سازِ محبت پر کوئی ارمان غزل خواں ہوتا ہے
جس وقت فلک پر اے زاہد کچھ ابر نمایاں ہوتا ہے
ساغر پہ شباب آجاتا ہے مینا بھی غزل خواں ہوتا ہے
خود ذوقِ طلب اے دل اک دن منزل پہ تجھے پہونچا دیگا
کیوں خضر کا راہِ اُلفت میں شرمندۂ احساں ہوتا ہے
معراجِ تمنّا بنتی ہے مجبورِ قفس کی مجبوری
اک وقت پھر ایسا آتا ہے زنداں بھی گلستاں ہوتا ہے
یہ بات نہایت مشکل ہے ہم خوب سمجھتے ہیں اِس کو
دُنیا میں حسینوں کو اپنا کہہ دینا تو آساں ہوتا ہے
ہر شامِ الم آغوش میں ہے انوارِ سحر کا حُسن لئے
تو کثرتِ حرماں پر اے دِل بیکار پریشاں ہوتا ہے
گرتے ہیں عزیزؔ آنسو جس پر کچھ خونِ تمنا کا لے کر
آخر کو وہی دامن اپنا ہم رنگِ گلستاں ہوتا ہے

تری تلاش میں نکلے ہیں تیرے دیوانے
کہاں سحر ہو کہاں شام ہو خدا جانے
حرم ہمیں سے ہمیں سے ہیں آج بُت خانے
یہ اور بات ہے دُنیا ہمیں نہ پہچانے
حرم کی راہ میں حائل نہیں ہیں بتخانے
حرم سے اہلِ حرم ہو گئے ہیں بیگانے
یہ غور تُو نے کیا بھی کہ حشر کیا ہو گا
تڑپ اُٹھے جو سرِ بزم تیرے دیوانے
میرے خیال میں کیا اُس کو خضر کی حاجت
جو رہگذر کو تری اپنی رہگذر جانے
نگاہِ ناز کی گردش کو میں نے دیکھ لیا
کہ اضطراب سے بدلے سکوں کے افسانے
عزیزؔ اپنا ارادہ کبھی بدل نہ سکا
حرم کی راہ میں آئے ہزار بُت خانے

اے ہمتِ مایوس تجھے یہ بھی خبر ہے
یہ شام کا انداز ہی پیغامِ سحر ہے

بس اُس کی نظر صرف خبردارِ نظر ہے
گلشن کا جسے خار بھی برگِ گلِ تر ہے

اے دوست اگر میری محبت میں اثر ہے
پوچھوں گا کبھی تجھ سے بتا درد کدھر ہے

اب مجھ کو ضرورت ہی نہیں دیر و حرم کی
اب میں ہوں مرا سر ہے مرے یار کا در ہے

اے دِل تجھے زیبا نہیں ساقی کی خوشامد
میخانہ ہی کھچ آئے گا قسمت میں اگر ہے

کیوں تجھ کو نہ جانے کوئی کیوں تجھ کو نہ دیکھے
تو رُوح کی تسکین ہے اور جانِ نظر ہے

اک میں کہ تری صرف نظر کا ہوں طلبگار
اک تو کہ زمانے پہ ترا لُطفِ نظر ہے

کعبہ ہی نہیں دیر و کلیسا بھی ہیں اُس کے
واقف ہے وہ اس سے جسے احساسِ نظر ہے

یہ بزمِ سخن اور عزیزانِ گرامی
اُردو پہ یقیناً ابھی رحمت کی نظر ہے

اُس مستِ نظر کا اُف رے ستم جس وقت اِدھر ہو جاتی ہے
مجروح جگر ہو جاتا ہے بیتاب نظر ہو جاتی ہے
حیراں ہوں کہ رونے کی میرے کس طرح خبر ہو جاتی ہے
ہر شاخِ چمن میں پچھلے پہر ہر روز ہی تر ہو جاتی ہے
اک وہ بھی زمانہ تھا اپنا پھولوں پہ بسیرا ہوتا تھا
اک یہ بھی زمانہ ہے اپنا کانٹوں پہ بسر ہو جاتی ہے
اللہ رے یہ دستورِ عمل اللہ رے یہ قانون اٹل
جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں دنیا ہی اُدھر ہو جاتی ہے
اک روز قمر ہو جاتا ہے جس طرح مہِ نو گردش سے
اِس طرح محبت میں دل کی ہر آہ شرر ہو جاتی ہے
جس شامِ الم کی تاریکی غم دِل کا فراواں کرتی ہو
اس شام کی اکثر تاریکی پُر نور سحر ہو جاتی ہے
جو نوحؑ سے نسبت رکھتے ہیں لاریب عزیز ان کی کشتی
دم بھر میں اِدھر ہو جاتی ہے دم بھر میں اُدھر ہو جاتی ہے

رہِ عشق میں یہ ستم رہے فقط ایک مُشتِ غبار پر
کبھی کھال کھینچی گئی مری تو چڑھا دیا کبھی دار پر

کوئی تبصرہ ہی کرے تو کیا ترے پُر خلوص شعار پر
جو گُلوں پہ فیضِ مدام ہے تو نگاہِ لطف ہے خار پر

نہیں جوشِ عشق شباب پر نہیں ذوقِ دید بہار پر
یہ خیالِ خام ہے جذبِ دل کہ نقاب ہے رُخِ یار پر

مرے ولولے مرے حوصلے جو شریکِ ذوقِ سجود ہیں
تو ہزار کعبے بناؤں گا میں جبیں سے اب درِ یار پر

وہ مقام مجھ کو عطا کیا ترے عشق خانہ خراب نے
نہ ہے اعتبارِ خزاں مجھے نہ یقین فصلِ بہار پر

کسی بے وفا کے خیال میں یہ اذیتیں یہ مصیبتیں
جو یہ عار ہے تو ہوا کرے مجھے فخر ہے اسی عار پر

وہ عجیب تھے وہ لطیف تھے مجھے اپنے دل سے عزیز تھے
وہی سانس میری حیات کے جو گذر گئے درِ یار پر

اک ہم کہ اُن کی یاد میں محوِ فغاں رہے
اک وہ کہ ہر خیال میں دامن کشاں رہے

دل میں مرے خلش رہے سوزِ نہاں رہے
لیکن مذاقِ عشق و محبت جواں رہے

اک وقت تھا کہ دلکو سکوں کی تلاش تھی
اور اب یہ آرزو ہے کہ دردِ نہاں رہے

اہلِ وفا پہ آئیں ہزاروں مصیبتیں
یہ سب رہینِ گردشِ ہفت آسماں رہے

اُن کا شباب ہر گُلِ نورس سے پھٹ پڑا
چھُپنے کے باوجود وہ ہر سُو عیاں رہے

آنکھیں قدم قدم پہ بچھاتے بفرطِ شوق
لیکن وہ ہم سے آٹھوں پہر بدگماں رہے

اللہ رے تلخ کامیِ اُلفت کی انتہا
مجھ سے مرے عزیز بھی دامن کشاں رہے

دِل میں ہمارے اب کوئی ارماں نہیں رہا
وہ اہتمامِ گردشِ دَوراں نہیں رہا
پیشِ نظر وہ خُسروِ خوباں نہیں رہا
یعنی مری حیات کا ساماں نہیں رہا

سمجھا رہا ہوں یُوں دلِ مضطر کو ہجر میں
وہ کون ہے جو غم سے پریشاں نہیں رہا

دیکھا ہے میں نے گیسوئے کافر کا معجزہ
تارِ نفس بھی میرا مسلماں نہیں رہا

اشکوں کے ساتھ ساتھ کچھ ارماں نکل گئے
بے چینیوں کا دل میں وہ طوفاں نہیں رہا

اے چارہ سازِ سعیِٔ مسلسل فضول ہے
ترا مریض قابلِ درماں نہیں رہا

اُس کی حیات اس کے لئے موت ہے عزیزؔ
جس پر تری نگاہ کا احساں نہیں رہا

جتنا ہے اُن کو میری وفاؤں سے اجتناب
اُتنا ہی میں ہُوں اُن کی محبت میں کامیاب
میں ہی تلاشِ دوست میں پھرتا نہیں مدام
گردش میں صبح و شام ہیں مہتاب و آفتاب
لُطف و کرم کی آرزو توہینِ عشق ہے
ہر دم عتاب مجھ پہ ہو اے پیکرِ عتاب
آئے گا لُطفِ حشر جو ہوگا مقابلہ
رحمت بھی بے شمار گُنہ بھی ہیں بے حساب
ہے ناز مجھ کو اپنے مقدّر پہ اے عزیزؔ
وارث کے فیضِ خاص سے ہوتا ہوں فیضیاب

کون کہتا ہے کہ وسعت میرے داماں میں نہیں
پھول کی پتّی پہ کیا شبنم گلستاں میں نہیں
کشتیِ حسرت ابھی گردابِ طوفاں میں نہیں
غم ہیں لاتعداد آنسو چشمِ حیراں میں نہیں
رفتہ رفتہ خوگرِ طوق و سلاسل ہو گئے
اب اسیروں کو کوئی تکلیف زنداں میں نہیں
ذرّہ ذرّہ دشت کا بن جائے اب لیلےٰ تو کیا
جس کی لیلےٰ تھی وہی مجنوں بیاباں میں نہیں
حکم ہو تو عرش کے تارے بھی لاؤں توڑ کر
آپ کی خاطر وہ ممکن ہے جو امکاں میں نہیں
رنگِ گل حُسنِ چمن تنویرِ ماہ و آفتاب
کون سی خوبی ہے جو تصویرِ جاناں میں نہیں
موجِ طوفاں ہے عزیزِ وارثی شاگردِ نوح
اس کی کشتی کا ڈبونا تیرے امکاں میں نہیں

آہوں کا آسماں پہ دھواں دیکھتے رہے
رسوا ہم اپنا سوزِ نہاں دیکھتے رہے
رنگِ بہار اہلِ خزاں دیکھتے رہے
پیری میں اپنے دل کو جواں دیکھتے رہے
اللہ رے بیخودی دمِ نظارۂ جمال
یہ بھی نہیں خبر کہ کہاں دیکھتے رہے
یا رات دن کا فرق ضروری تھا دہر میں
یا رات دن فریبِ جہاں دیکھتے رہے
آغاز پُر فریب تو انجام پُر ملال
ایسا بھی کچھ نظامِ جہاں دیکھتے رہے
کوتہ نگاہی اپنی یہاں خود حجاب تھی
گو بے حجابیٔ دِگراں دیکھتے رہے
کیا کیا ستم اُٹھائے محبت میں اے عزیزؔ
برسوں دلِ حزیں کو تپاں دیکھتے رہے

جہاں بھی کائناتِ زندگی کی ہے فدا ہم نے
حقیقت میں وہیں رکھّی ہے بنیادِ وفا ہم نے
تعجب ہے فریبِ حُسن کھایا بارہا ہم نے
مگر جو دل میں تھا رکھا وہ دلمیں مدعا ہم نے
نشاں جس چیز میں پایا تری تنویر کا ہم نے
بفرطِ ذوق و شوق اُس شئے کو اپنا کرلیا ہم نے
محبّت میں دلِ محزوں کیا ان پر فدا ہم نے
میسّر تھا جو ہم کو سامنے وہ رکھدیا ہم نے
محبّت کیا عقیدت کیا طریقت کیا شریعت کیا
ترا جلوہ تھا جس کو فطرتاً سجدہ کیا ہم نے
اسیرانِ بلا کی اب تو قسمت پھیر دے یارب
بہت مجبور ہوکر آج کی ہے التجا ہم نے
معاذ اللہ وہی ہیں آج دل کے توڑنے والے
خدا شاہد جنہیں سمجھا تھا کل تک باوفا ہم نے
کھلائے ہیں قفس میں سو شگوفے خون رو رو کر
گلستاں سے کہیں بہتر بنالی ہے فضا ہم نے
عزیزِ وارثی بے توجہ کا ادنےٰ تصرّف ہے
تلاطم خیز موجوں کو بنایا ناخدا ہم نے

آج وقتِ شام وہ جانِ سحر آ ہی گیا
مرحبا اے زیست نالوں میں اثر آ ہی گیا

مضطرب ہو کر کوئی با چشمِ تر آ ہی گیا
الغرض دریائے اُلفت جوش پر آ ہی گیا

مژدہ باد اے ذوقِ نظّارہ اثر آ ہی گیا
تھا جو پردے میں وہ بے پردہ نظر آ ہی گیا

اقتضائے دل کے آگے ضبط کی چلتی نہیں
تیری محفل میں نہ آنا تھا مگر آ ہی گیا

ذوقِ بے پایاں کے قرباں جلوۂ حُسنِ ازل
جس طرف نظریں اُٹھیں مجھکو نظر آ ہی گیا

مَیں نے پینے کا ارادہ ہی کیا تھا اس طرف
ساغرِ صہبا لئے ساقی اُدھر آ ہی گیا

اس قدر رویا ہے کوئی ہجرِ جاناں میں عزیز
اشک بن کر آنکھ میں خونِ جگر آ ہی گیا

نفس بھی تیز تر اور دل بھی مصروفِ فغاں میرا
پیامِ وصل ہے شاید غمِ سوزِ نہاں میرا
وہاں اب کھینچ کر لایا مجھے دردِ نہاں میرا
جہاں کا ذرّہ ذرّہ ہوگیا ہے جانستاں میرا
وہی منزل جسے سب منزلِ مقصود کہتے تھے
اُسی منزل پہ لُوٹا جا رہا ہے کارواں میرا
کبھی صیّاد کا خدشہ کبھی بجلی کا اندیشہ
باالفاظِ دِگر میری اجل ہے آشیاں میرا
جبینِ شوق میری اور روشن ہوتی جاتی ہے
درِ محبوب جس دن سے بنا ہے آستاں میرا
اگر گرنا ہو تجھ کو برق تو یہ سوچ کر گرنا
ابھی ناواقفِ غم ہے چمن میں آشیاں میرا
عزیز اک دن سخن گوئی سے شہرہ ہونے والا ہے
اِدھر میرا اُدھر میرا یہاں میرا وہاں میرا

کسی مہ جبیں نے بصد ناز و اُلفت جو رُخ سے نقابِ تکلف اُٹھادی
نگاہوں کی دُنیا کو آباد کر کے تخیّل کی دُنیا میں ہلچل مچادی
پریشاں ہے ذوقِ کلیمی ابھی تک تجسّس میں ہیں اب بھی ہیں ایمن کے ذرّے
یہ کیا مصلحت تھی سرِ طور تم نے قیامت سے پہلے قیامت اُٹھادی
ترا میکدہ یہ ترے جام و مینا سلامت رہیں ساقیِ بزمِ اُلفت
سرورِ دو عالم ہُوا ہم کو حاصل نظر جب ہماری نظر سے مِلادی
مرے رہنما تم مرا مدعا تم مری التجا تم مرے ناخدا تم
پھنسی جب بھی کشتی مری بحرِ غم میں تمہیں کو پکارا تمہیں کو صدا دی
بظاہر تو وہ ہیں بڑے بھولے بھالے بڑے بھولے بھالے بڑے سیدھے سادے
بباطن مگر میرے خود دارِ دِل کی جوانی کے عالم میں تربت بنادی
جفائے مسلسل کا اب ہم کو غم کیا رہِ عشق میں مٹ گئے تو الم کیا
مسرّت تو اِس کی ہے رُوحِ تمنا ترے حُسن کی ہم نے عظمت بڑھادی
طریقِ محبت سے نا آشنا ہُوں رموزِ تمنا سے واقف نہیں ہوں
مگر میں نے نقشِ قدم پر تمہارے ادب سے جبینِ عقیدت جُھکادی
اَداؤں سے مارا نگاہوں سے لُوٹا نگاہوں سے لوٹا اداؤں سے مارا
غرض بحرِ اُلفت میں کشتی ہماری جدھر تم نے چاہا اُدھر ہی بہادی
کبھی بتکدے میں بتوں کی پرستش کبھی خانقاہوں میں سجدوں پہ سجدے
عزیز اس طرح شان و شوکت سے ہم نے لڑکپن گذارا جوانی گنوادی

جب نگاہِ لُطف مجھ پر آپ کی ہو جائے گی
میری دُنیائے محبّت دوسری ہو جائے گی
تیرے جلوؤں سے مجھے جب آگہی ہو جائے گی
ذرّے ذرّے سے نمایاں روشنی ہو جائے گی
مجھ سے پردہ ہی مناسب ہے ترا پردہ نشیں
ورنہ ذوقِ دید میں میرے کمی ہو جائے گی
میں نے قدموں پر کسی کے سر رکھا تھا فطرتاً
کیا خبر تھی فرض یہ بھی بندگی ہو جائے گی
دی صدا یہ ہاتفِ غیبی نے ہنگامِ دُعا
آرزو پُوری عزیزِ وارثی ہو جائے گی

اپنی مایوسی کا عالم سازگار آ ہی گیا
ظلم کرنا تھا مگر ظالم کو پیار آ ہی گیا
عظمتِ ساغر پہ آخر اعتبار آ ہی گیا
میکدے میں زاہدِ شب زندہ دار آ ہی گیا
رقص کرتا جھومتا ابرِ بہار آ ہی گیا
میکشو اُٹھو کہ دَورِ خوشگوار آ ہی گیا
آج تک جیب و گریباں کی تھی جس سے آبرو
آج دیوانے کے ہاتھوں میں وہ تار آ ہی گیا
جب کسی عنواں پہ ہم نے اپنے دل سے بات کی
فطرتاً اُس گفتگو میں ذکرِ یار آ ہی گیا
اے تصوّر شکریہ صد شکریہ صد شکریہ
اِس قدر ممنون فرمایا قرار آ ہی گیا
ہم اُسی کو رُوحِ میخانہ سمجھتے ہیں عزیزؔ
جس کی جانب جب کبھی دیکھا خمار آ ہی گیا

وہ بھی منظر عجیب ہوتا ہے
دِل سے جب دِل قریب ہوتا ہے

وہ بھی کیا خوش نصیب ہوتا ہے
جو کسی کا حبیب ہوتا ہے

دو جہاں میرے پاس ہوتے ہیں
تیرا غم جب قریب ہوتا ہے

جس کی تفسیر ہو شبِ فرقت
وہ ہمارا نصیب ہوتا ہے

اُف وہ بیچارگی کا عالم جب
درد اپنا طبیب ہوتا ہے

مُسکراتا ہے جب وہ شاعر گر
ذرّہ ذرّہ ادیب ہوتا ہے

یاد آتا ہے جب عزیز کوئی
دِل کا عالم عجیب ہوتا ہے

آہ کو صبر ضروری ہے ثمر ہونے تک
چاہیئے وقت مہِ نو کو قمر ہونے تک
ہم جئیے کُشتۂ شمشیرِ نظر ہونے تک
زیست بھی فیصلۂ گردن و سر ہونے تک
چارہ گر شام سے رنجور نظر آتے ہیں
آج کیا ہوگا مرا حال سحر ہونے تک
کتنی بیباک نگاہوں سے تصادم ہوگا
میرے اللہ مری عمر بسر ہونے تک
اشک آنکھوں سے نکلنے میں نہ تعجیل کریں
یہ مرے دل میں رہیں لعل و گہر ہونے تک
اب جو صحت ہوئی تو پوچھنے والے نہ رہے
مہرباں مجھ پہ تھے سب دردِ جگر ہونے تک
حسرتِ مرگ میں بیتاب فقط میں ہی نہ تھا
دل بھی تڑپا ہدفِ تیرِ نظر ہونے تک
اس کو پوچھے تو عنادل ہی سے پوچھے کوئی
غنچہ پہ گذری ہے کیا کیا گلِ تر ہونے تک
لطف جب ہے تری فریادِ مسلسل کا عزیزؔ
خود چلے آئیں وہ آہوں میں اثر ہونے تک

کسی کی جستجو میں جستجو کا یہ اثر دیکھو
بیک ساعت اُسے دیر و حرم میں جلوہ گر دیکھو
بہارِ لالہ و گل شوخیِ برق و شرر دیکھو
کسی کے مختلف جلوے بعنوانِ دِگر دیکھو
یہ دَورِ حاضرہ کا پُرخطر ماحول ہی کیا ہے
فسانہ ہائے جور و ظلم ماضی کے اگر دیکھو
یہی تنظیمِ عالم ہے اِسی کا نام دُنیا ہے
کبھی شامِ الم دیکھو کبھی لطفِ سحر دیکھو
چمن سے دُور ہیں جو آج اُنکو غیر کہتے ہو
پڑے ہونگے کسی کونے میں انکے بال و پر دیکھو
دمِ آخر بھی کہتا ہے کہ صحت ہونے والی ہے
ذرا اے دیکھنے والو فریبِ چارہ گر دیکھو
عزیزؔ وارفتگی دیوانگی شانِ محبّت ہے
گریباں چاک کر لینا کوئی صورت اگر دیکھو

یہ زخم تازہ اور ہے زخمِ کہن کے پاس
صیّاد نے قفس کو رکھا ہے چمن کے پاس

وہ انجمن جو وہم و گماں سے بھی دُور ہے
خلوت کدہ ہے میرا اسی انجمن کے پاس

آتی ہیں یاد جب قدِ رعنا کی خوبیاں
بے اختیار روتا ہوں سروِ چمن کے پاس

سوز و گداز رنج و الم درد و اضطراب
کچھ ہے تو بس یہی ہے ترے خستہ تن کے پاس

یہ ہے محال ذوق کی تکمیل ہو عزیزؔ
جلوہ بقدرِ ظرف ہے اُس جانمن کے پاس

اِس قدر راہِ محبّت میں فنا ہو جائیے
ہر دو عالم کے تعلق سے جُدا ہو جائیے
چاہتا ہوں پھر کرم ناآشنا ہو جائیے
بیٹھے بیٹھے بے سبب مجھ سے خفا ہو جائیے
عصرِ نو کے پُر خطر رستے میں جب ہیں پیچ و خم
عصرِ نو میں آپ اپنے رہنما ہو جائیے
جن کے اک مُبہم تصوّر سے بھی رہتا ہے سُرور
کیوں نہ اُن مستانہ آنکھوں پر فدا ہو جائیے
جس طرف نظریں اُٹھیں آئے نظر تصویرِ دوست
دہر کی رنگینیوں سے ماورا ہو جائیے
دل کی فطرت دل کی سیرت دِل کی خصلت عشق ہے
حُسن خود کہتا نہیں مجھ پہ فدا ہو جائیے
ساقیِ بزمِ ازل کہتا ہے ہم سے اے عزیز
آج تو دو گھونٹ پی کر پارسا ہو جائیے

ہو جائیں بے نیاز غمِ دو جہاں سے ہم
اِس شرط پر اُٹھیں گے ترے آستاں سے ہم
کب تک نجات پائیں گے فکرِ جہاں سے ہم
کب تک رہیں گے دُور ترے آستاں سے ہم
اللہ رے بیخودیِ محبت کی انتہا
اکثر گزر گئے ہیں رہِ کارواں سے ہم
اچھا ہوا کہ برق کی دلجوئی ہو گئی
اچھا کیا کہ نکلے نہیں آشیاں سے ہم
کیا رنگ لائے دیکھئے اُفتادِ زندگی
ناکام جا رہے ہیں ترے آستاں سے ہم
ساتوں فلک سے ہو گا جو رفعت میں سربلند
وہ آسماں بنائیں گے دودِ فغاں سے ہم
ہر دِل عزیز ہے شہِ وارث کا آستاں
کیونکر نہ فیضیاب ہوں اس آستاں سے ہم

گرے جو شوقِ طلب ذوقِ بندگی پیدا
مری جبیں سے ہو تنویرِ ایزدی پیدا

جو بات بات پہ کرتے ہیں دشمنی پیدا
تو اُن سے شکل ہو کیا رسم و راہ کی پیدا

ہزار بار ہوئی دِل میں بے خودی پیدا
نہ ہو سکی ترے جلوؤں سے دوستی پیدا

جَلا جَلا کے دِل زار میں چراغِ اُمید
سیاہ خانے میں کرلی ہے روشنی پیدا

بہ رنگِ گل جو مرے دل کے داغ کھِل جاتے
چمن میں کانٹوں سے ہوتی شگفتگی پیدا

مرا قصور نہیں اس میں کچھ کہ روزِ ازل
ہوئی تھی دِل کے لئے رسم عاشقی پیدا

عزیزؔ یہ بھی تقاضائے حُسن فطرت ہے
قدم قدم پہ ہو ماحولِ شاعری پیدا

شامِ غم کب اِدھر نہیں آتی
صبحِ عشرت مگر نہیں آتی

حالِ طولِ شبِ فراق نہ پوچھ
شام آ کر سحر نہیں آتی

ضبطِ غم ہی سے کام لے اے دِل
آہ کرنی اگر نہیں آتی

وہ مصیبت ہو یا مسرت ہو
وقت سے پیشتر نہیں آتی

دِل میں پہلا سا اضطراب کہاں
نیند اب بھی مگر نہیں آتی

وہ جو خود کرم نہیں کرتے
موت بھی تو اُدھر نہیں آتی

جن کی صورت ہے ہر نظر کو عزیز
اُن کی صورت نظر نہیں آتی

۲

یورشِ آلام ہے لیکن مرا دل ایک ہے
سیکڑوں موجوں کی زد میں آج ساحل ایک ہے
یوں تو ہیں لاکھوں حسین اُلفت کے قابل ایک ہے
چار جانب ہیں شعاعیں ماہِ کامل ایک ہے
آہِ سوزاں نالۂ شب گیر یا ضبط و سکوں
بد نصیبوں کے لئے اِن سب کا حاصل ایک ہے
قیس ہو فرہاد ہو وامق ہو یا محمود ہو
ہیں نگاہیں مختلف لیلائے محمل ایک ہے
دامنِ ہر موج ہی اپنا تو ساحل ہے عزیزؔ
کون کہتا ہے کہ بحرِ غم میں ساحل ایک ہے

دِل سے جس وقت ترے تیر کا پیکاں نکلا
سانس اس وقت جو نکلا وہ غزلخواں نکلا

کیوں بیاباں کا ہراک ذرّہ ہے لیلےٰ بردوش
کیا کوئی قیس صفت سوئے بیاباں نکلا

بیخودی میں جسے سمجھا تھا نگاہوں کا فریب
ہوش آیا تو وہی جلوۂ جاناں نکلا

یہ یقیں تھا کہ نہاں ہونگے ہزاروں پیکاں
دِل کو جب چاک کیا مخزنِ حرماں نکلا

اِس طرف دید کا ارمان ہوا طالب کو
اُس طرف پردے سے وہ جانِ بہاراں نکلا

اوّل اوّل جو رہا وجہِ سکونِ بلبل
آخر آخر وہ چمن گوشۂ زنداں نکلا

جب کبھی غور کیا ہم نے زمانے پہ عزیزؔ
سچ تو یہ ہے کہ گلستاں بھی بیاباں نکلا

الم بردوش دُنیا میں سکونِ دل تو کیا ہوگا
یہ بحرِ غم ہے بے پایاں یہاں ساحل تو کیا ہوگا

خرد کے مشوروں کو بھی نہ مانے دل تو کیا ہوگا
جو ہو جائے فدا تم پر سرِ محفل تو کیا ہوگا

رہِ غم کے تغیّر سے نظر ہے آشنا جس کی
اُسے اے دوست احساسِ غمِ منزل تو کیا ہوگا

یہ مانا شکوہ کرنا عشق میں توہینِ حسرت ہے
جو گھبرایا ہجومِ درد و غم سے دل تو کیا ہوگا

زمانہ ڈوبنے پر میرے کیوں آنسو بہاتا ہے
جو مجھ کو ڈوب کر ہی مل گیا ساحل تو کیا ہوگا

جسے تم نے پلائی ہے سرور آمیز نظروں سے
وہ میکش عمر بھر اب ہوش کے قابل تو کیا ہوگا

محبّت میں عزیزؔ وارثی دل ہی نہیں اپنا
محبّت میں بھلا کوئی شریکِ دل تو کیا ہوگا

مجھے یاد ہے ستمگر ترا اوّلیں اشارا
مرا دل ہے ٹکڑے ٹکڑے تو جگر ہے پارا پارا

شبِ غم کا لمحہ لمحہ بڑے لطف سے گزرا
کبھی موت کو بلایا کبھی آپ کو پکارا

مری کشتیٔ محبت جہاں غرق ہو رہی تھی
وہیں بڑھ کے حسرتوں نے مجھے دیدیا سہارا

مرے روبرو تھا ساقی مرے اِرد گِرد ساغر
وہ زمانہ مختصر سا بڑے لطف سے گزارا

دلِ زار کہہ رہا ہے کہ عزیزؔ بحرِ غم میں
تجھے کیوں ہو فکرِ طوفاں جو ہو نوح کا سہارا

یہ انکشاف چمن میں ہوا بہار کے بعد
اک اور دَور بھی ہے دَورِ خوشگوار کے بعد

رہا تو ہوں میں نشیمن میں مدّتوں لیکن
کبھی بہار سے پہلے کبھی بہار کے بعد

دلِ حزیں کو شبِ غم بہت فریب دیئے
نہ آئی نیند مگر تیرے انتظار کے بعد

جمالِ غنچہ و گل پر نگاہ کون کرے
جمالِ غنچہ و گل ہے جمالِ یار کے بعد

بہار میں جو مجھے رند کہہ رہے ہیں عزیزؔ
وہ پارسا بھی کہیں گے مجھے بہار کے بعد

مریضِ غم نے صحت کو فریبِ چارہ گر جانا
اسی کا نام ہے حدِّ تعیّن سے گذر جانا
بڑی تذلیل ہے اہلِ طلب کا دربدر جانا
حیاتِ غم جہاں پائی وہیں بہتر ہے مر جانا
نہ تھا مشکل مرے شیرازۂ غم کا بکھر جانا
قیامت ڈھا گیا لیکن ترا اغماض کر جانا
تمہیں ہم اپنا دِل سمجھے تمہیں اپنی نظر جانا
مگر تم نے وفا و عشق کو نا معتبر جانا
بہارِ لالۂ و گل شوخیِ برق و شرر جانا
ترے جلوے کا اہلِ دید نے کیا کیا اثر جانا
تری نظروں کی جُنبش فیصلہ کرلے تو اے ظالم
کوئی مشکل نہیں شیرازۂ ہستی بکھر جانا

مری ذوقِ جبیں سائی کا عالم ہی نرالا ہے
کہ ہر ذرّہ کو میں نے آپ ہی کا سنگِ در جانا
وہ راہِ عشق میں ناآشنائے لطف و راحت ہے
کہ جس نے ہجر کی بے چینیوں کو دردِ سر جانا
ہم اپنے عزم پر قائم رہے راہِ محبّت میں
نہ آغازِ سفر سمجھے نہ انجامِ سفر جانا
زمانے کی نگاہوں میں تمہیں تم تھے تمہیں تم ہو
بُرا کیا ہے جو میں نے بھی تمہیں جانِ نظر جانا
نظارہ کر رہے ہیں آج وہ میری تباہی کا
عزیزِ وارثی اچھا نہیں ایسے میں مر جانا

اس طرح جنوں کی دنیا میں جینے کا سہارا کرتے ہیں
دامن کے پریشاں تاروں کو ہم پارا پارا کرتے ہیں
بجلی کو عداوت ہو جن سے گلچیں کی نظر ہو جن پہ کڑی
وہ پھول ہمیشہ کانٹوں کے پہلو میں گذارا کرتے ہیں
اک وہ بھی زمانہ تھا اپنا میں اُن کا نظارہ کرتا تھا
اک یہ بھی زمانہ ہے اپنا وہ میرا نظارہ کرتے ہیں
رنگینیِ دُنیا کے معنی سمجھے ہیں وہی کچھ اہلِ خرد
جو غنچہ و گل کو ٹھکرا کر کانٹوں پہ گذارا کرتے ہیں
تو اور ذرا محکم کرلے پردوں کی مکمل بندش کو
اے دوست نظر کی گرمی کو ہم آج شرارا کرتے ہیں
مَیں اُن پہ ازل سے مائل ہوں مَیں ان کا ازل سے قائل ہوں
جو صرف نظر کی جنبش سے بیمار کا چارا کرتے ہیں
ساغر سے انھیں اب کیا نسبت مینا سے انھیں اب کیا مطلب
دن رات عزیزؔ اُن آنکھوں سے جو دل میں اتارا کرتے ہیں

مجھ کو ترے کرم کا سہارا اگر ملے
منزل رہِ طلب میں ہر اک گام پر ملے
راحت نصیب ہو نہ سکونِ نظر ملے
دُنیا کی تلخیوں سے فراغت اگر ملے
تیری نوازشاتِ مسلسل کا شکریہ
بے انتہا ملے مجھے غم بھی اگر ملے
دَیر و حرم سے مٹ نہ سکا اضطرابِ شوق
اب راہ وہ بتا کہ تری رہگذر ملے
ہم کو وفا و عشق نے مجبور کر دیا
ملنا تھا ناگوار کسی سے مگر ملے
اُن کے ہزار تیر فقط ایک دِل مرا
سب کو تلاش گھر کی ہے کس کسکو گھر ملے
خارِ تعیّنات کے قائل تھے جو عزیز
وہ آج مجھ کو جلوہ گہہ عام پر ملے

عشق میں اے دوست یہ ہرگز شکستِ دل نہیں
تو مجھے حاصل تو ہے گو میں تجھے حاصل نہیں
میرے اُس کے درمیاں پردہ کوئی حائل نہیں
ہائے محرومی کہ ذوقِ دید ہی کامل نہیں
موجِ طوفاں ہے محافظ کشتیٔ اُمید کی
اب دلِ درد آشنا کو حسرتِ ساحل نہیں
پہلے ذوقِ دید تو پیدا کریں اہلِ نظر
اُس کا بے پردہ نظر آنا کوئی مشکل نہیں
وصل تھا میرے مقدّر میں عزیزؔ وارثی
میں کسی محبوب کے احسان کا قائل نہیں

منکشف ہو جائیں گے اسرار بزمِ راز کے
ورنہ جب چاہوں اُٹھیں پردے حریم ناز کے

وہ گھٹا اُٹھی وہ مے برسی وہ میخانہ لٹا
معجزے کیا کیا ہیں اک تیری نگاہِ ناز کے

تم نے ہنس کر جس طرف دیکھا تو ذرّے جاگ اُٹھے
ہو گئے موسیٰ بھی قائل اس حسیں انداز کے

جس طرف اُٹھی متاعِ زندگانی پھونک دی
اے طلسمِ حُسن کیا کہنے نگاہِ ناز کے

ہم ابھی موسیٰ صفت انداز سے ہیں بے نیاز
اس لئے اُٹھتے نہیں پردے حریمِ ناز کے

جن کو ہم شام و سحر شام و سحر کہنے لگے
وہ اُچٹنے سے کرشمے ہیں نگاہِ ناز کے

زندگی میں صرف وہ ممتاز ہوتے ہیں عزیزؔ
جو تمنائی نہیں ہوتے کسی اعزاز کے

راہِ اُلفت میں جہاں سب کچھ لُٹا کر رہ گئے
اُف رے قسمت ہم وہاں بھی منہ کی کھا کر رہ گئے

جن سے اُمیدِ تسلّی تھی مآلِ عشق پر
وہ بھی میرے حال پر آنسو بہا کر رہ گئے

ان کا کوچہ وادیِ ایمن تو بن جاتا مگر
یہ غنیمت ہوگیا چلمن اُٹھا کر رہ گئے

وقتِ نظارہ ہمیں کچھ اور تو سوجھی نہیں
دونوں ہاتھوں سے کلیجے کو دبا کر رہ گئے

موسمِ گُل کی خبر سنکر بمجبوری عزیزؔ
ہم قفس میں صرف اپنے پر ہلا کر رہ گئے

یہاں سے اب کہیں لے چل خیالِ یار مجھے
چمن میں راس نہ آئے گی اب بہار مجھے
تری لطیف نگاہوں کی خاص جنبش نے
بنا دیا تری فطرت کا راز دار مجھے
مری حیات کا انجام اور کچھ ہوتا
جو آپ کہتے کبھی اپنا جاں نثار مجھے
بدل دیا ہے نگاہوں سے رُخ زمانے کا
تھا اپنے دل پہ کبھی اتنا اختیار مجھے
میں جب چلا ہوں بایں ذوقِ بندگی اے دوست
قدم قدم پہ ملے آستاں ہزار مجھے
یہ حادثات جو ہیں اضطراب کا پیغام
یہ حادثات ہی آئیں گے سازگار مجھے
عزیز اہلِ چمن کی شکایتیں بے سُود
فریب دے گئی رنگینیِ بہار مجھے

اے دِل درد آشنا حُسن سے رسم و راہ کر
عشق ہے باعثِ نجات شوق سے تو گناہ کر
لطف بھی گاہ گاہ کر ظلم بھی بے پناہ کر
جیسے بھی تجھ سے ہو سکے ویسے مجھے تباہ کر
میرے سوالِ وصل پر آج وہ مجھ سے کہہ گئے
تو ابھی چند روز اور ہجر میں آہ آہ کر
حُسن ترے حضور خود آئے با اضطرابِ دِل
اے دِل درد آشنا ایسی بھی ایک آہ کر
شوق ہے گرد قار کا گلشنِ روزگار میں
پھولوں کے ساتھ اے عزیز کانٹوں سے بھی نباہ کر

ہمیں منزل میں وہ بیگانۂ منزل سمجھتے ہیں
جنہیں ہم دِل نہیں پروردگارِ دل سمجھتے ہیں
جہاں میں ہم جسے بھی پیار کے قابل سمجھتے ہیں
حقیقت میں اُسی کو زیست کا حاصل سمجھتے ہیں
جو آغازِ جنوں میں رازِ مستقبل سمجھتے ہیں
تلاطم خیز طغیانی کو وہ ساحل سمجھتے ہیں
ہر ساعت ہمیں جو صدرِ محفل کہتے رہتے تھے
بہر لحظہ وہی اب دشمنِ محفل سمجھتے ہیں
ستم ایسے کئے تمثیل جن کی مل نہیں سکتی
مگر وہ اِس جفا کو اوّلیں منزل سمجھتے ہیں
بِلا کرتا ہے دستِ غیب سے مخصوص بندوں کو
کسی کے درد کو ہم کائناتِ دِل سمجھتے ہیں
محبّت لفظ تو سادہ سا ہے لیکن عزیزِ اس کو
متاعِ دل سمجھتے تھے متاعِ دِل سمجھتے ہیں

وہ کھُلے الفاظ میں ذکرِ عدو کرتے رہے
میرے دِل کا خون میرے روبرو کرتے رہے

بیخودیِٔ عشق اِس سے بڑھ کے کیا ہوتی کہ ہم
تم کو پاکر بھی تمہاری جستجو کرتے رہے

اِس طرح زندہ رکھا ہم نے دلِ مرحوم کو
مے پرستی چھوڑ کر ذکرِ سبو کرتے رہے

وہ رہے اغیار کی صف میں سدا جلوہ فگن
ہم ہمیشہ اشکِ حسرت سے وضو کرتے رہے

بے طلب بھر کر سبو نا آشناؤں کو ملے
آشنائے لذتِ مے آرزو کرتے رہے

ماجرا اپنی محبّت کا بھی تھا کِتنا اہم
سُننے والے جس پہ برسوں گفتگو کرتے رہے

جو عزیزِ وارثی کے نام سے مشہور تھے
وہ عزیزِ وارثی کی جستجو کرتے رہے

اے دوست حضوری میں تیری دو اشک ہمارے بہہ نہ سکے
ہم گریۂ غم کے پردے میں رودادِ محبّت کہہ نہ سکے

جب موسمِ گل میں گلشن کی بے کیف فضا تبدیل ہوئی
جتنے بھی مکمل تائب تھے پابندِ شریعت رہ نہ سکے

جو حاصلِ دین و دُنیا تھے وہ جن سے اُمیدیں قائم تھیں
افسوس ہے راہِ اُلفت میں دو روز ہمارے رہ نہ سکے

سوچا تھا سُنا دیں گے اک دن رودادِ شبِ غم اُن کو بھی
جب وقت سُنانے کا آیا تو کچھ بھی زباں سے کہہ نہ سکے

فردوس بداماں جلوؤں کا دیدار عزیزؔ اب مشکل ہے
محمل کو ذرا جُنبش جو ہوئی ہم ہوش میں اپنے رہ نہ سکے

جو رہا یونہی سلامت مرا ذوقِ آشیانہ
تو بنائیں گی کہاں تک مجھے بجلیاں نشانہ
بھلا ساتھ دے کہاں تک رہِ عشق میں زمانہ
مرا عشق والہانہ ترا حُسن کافرانہ
وہی شورِ آہ و نالہ وہی گردشِ زمانہ
وہی بے کسی کا عالم وہی دُکھ بھرا فسانہ

(ق)

ذرا غور اہلِ گلشن یہ رہائی کیا رہائی
کہیں حسرتِ نشیمن کہیں فکرِ آب و دانہ
جسے کہہ رہی ہے دُنیا ابھی تک ترا تصوّر
وہ مری سرشت میں ہے ترا فیضِ غائبانہ
میں ازل سے آدمی ہوں میں سراپا عاجزی ہوں
نہ کسی سے دشمنی ہے نہ کسی سے دوستانہ
بھلا مہوشوں سے نسبت نہ ہو کیوں عزیزؔ مجھ کو
مری رُوح شاعرانہ مرا دِل ہے عاشقانہ

ہم اپنی آزردہ زندگی پر اُنھیں رُلانا بھی چاہتے ہیں
مگر بپاسِ رسُومِ محفل یہ غم چھُپانا بھی چاہتے ہیں
نظر سے اُن کی جو گر گیا ہے اسے اُٹھانا بھی چاہتے ہیں
مگر جو دیکھے نظر اُٹھا کر اُسے گرانا بھی چاہتے ہیں
نقاب اُٹھا کر نظر سے اُن کی نظر ملانا بھی چاہتے ہیں
جو اور ارماں ہوئے ہیں پیدا وہ اب ٹھکانا بھی چاہتے ہیں
تری نظر سے جو گر گئے ہیں وہ منہ چھُپانا بھی چاہتے ہیں
غمِ محبّت اُٹھانے والے غمِ زمانہ بھی چاہتے ہیں
کبھی تو ہم اک حسین تصوّر سے کھیلتے ہیں بفرطِ اُلفت
مگر کبھی اُس حسین تصوّر کو بھُول جانا بھی چاہتے ہیں
رہِ طلب میں قدم قدم پر فریب کھائے بھی ہیں ہمیں نے
رہِ طلب میں قدم قدم پر فریب کھانا بھی چاہتے ہیں

یہ ذوقِ اُلفت ہے دِل جلوں کا یہ عزمِ محکم ہے عاشقوں کا
پھنسے ہوئے بھی ہیں اپنے غم میں غمِ زمانہ بھی چاہتے ہیں

لطیف انداز ہے یہ اُن کا عجیب سا ہے یہ ناز اُن کا
وہ دُور رہنا بھی چاہتے ہیں قریب آنا بھی چاہتے ہیں

دِلوں میں جا رہا ہے ہیں پُرانے نظریں تخیّل ہے پُرانی
مگر زباں سے یہ کہہ رہے ہیں نیا زمانہ بھی چاہتے ہیں

یہ عصرِ نو کا نظام کیا ہے چمن کا یہ اہتمام کیا ہے
جنہیں نشیمن کی جستجو ہے وہ آب و دانہ بھی چاہتے ہیں

عزیزؔ یہ ذوقِ شعر گوئی عطا کیا ہے کسی حسیں نے
اسی لئے اس لطیف شے کو حسیں بنانا بھی چاہتے ہیں

بخشی ہے کیفِ عشق نے وہ بیخودی مجھے
میں زندگی کو بھول گیا زندگی مجھے
دورِ فلک پہ جب کبھی آئی ہنسی مجھے
آلامِ روزگار نے آواز دی مجھے
تیرے خیال سے ہے وہ دلبستگی مجھے
حسرت ہی اب نہیں ترے دیدار کی مجھے
اے موت تیری خاص نوازش کا شکریہ
دُنیا کی تلخیوں سے فراغت ملی مجھے
ہر شے سے بے نیاز ہے میرا دلِ حزیں
تم کیا ملے کہ مل گئے کونین بھی مجھے
کل تک جو تیغ تشنۂ خونِ عدو رہی
آج اس کی پیاس خود ہی بجھانی پڑی مجھے
فیضانِ نوحؔ سے ہی عزیزؔ جہاں ہوں میں
سب کچھ ہے ایک سلسلۂ نارَوی مجھے

جلوۂ دوست کسی وقت بھی روپوش نہیں
ہائے محرومیٔ قسمت کہ ہمیں ہوش نہیں
آپ احسان کی تعداد بڑھائیں تو سہی
فطرتِ عشق بھی احسان فراموش نہیں
صرف وہ لوگ ہی دیوانہ سمجھتے ہیں مجھے
آج اس دَور میں اپنا بھی جنہیں ہوش نہیں
وہ مری بادہ پرستی کو ابھی کیا جانے
جو مری طرح ابھی میکدہ بردوش نہیں
جام اُٹھاتا ہوں ترے حکم سے محفل میں مدام
مَیں بَلا نوش نہیں ہوں میں بلا نوش نہیں
ساقیِ بزم تری مَست نگاہوں کا اثر
دل پہ کس وقت ہوا تھا یہ مجھے ہوش نہیں
وہ بھی کہتے ہیں مجھے میں جنہیں کہتا ہوں عزیزؔ
ہوش اب ان کو نہیں ہے کہ مجھے ہوش نہیں

ہر نفس کو اک آہ ہونے دو
راہ کو شاہراہ ہونے دو
رات دن آہ آہ ہونے دو
دِل کی دنیا تباہ ہونے دو
عافیت بھی تو موت ہے دِل کی
مضطرب گاہ گاہ ہونے دو
زیست کا اور مدعا کیا ہے
ہو رہے ہیں گناہ ہونے دو
طور بدلے گا آج ساقی کا
مری جانب نگاہ ہونے دو
میکشی ہے اگر گناہِ عظیم
پھر تو یہ بھی گناہ ہونے دو
تم تو اشعار پڑھ چکے ہو عزیز
مُفت کی واہ واہ ہونے دو

رہِ اُلفت میں یہ تھا شوق سے عالم مرے دل کا
یقیں ہوتا رہا اک اک قدم پر مجھکو منزل کا
اگر مجھ کو مٹایا ہے مٹا دو میری تربت بھی
ابھی ہے نامکمل سانحہ بربادئ دل کا
تلاطم خیز موجوں نے ڈبو دی اس لئے کشتی
مجھے ممنون ہونا ہی نہ تھا آغوشِ ساحل کا
طریقِ عشق و الفت سے بہت ہشیار رہتا ہوں
اسی رستہ میں تو لوٹا گیا ہے قافلہ دِل کا
کہاں ساغر کہاں مینا کہاں مطرب کہاں نغمہ
نہیں یہ چار چیزیں تو نہیں کچھ لطف محفل کا
شرابِ ناب ہو ساقی ہو دورِ جام و ساغر ہو
تقاضا موسمِ گل میں ہے یہ مجھ سے مرے دِل کا
عزیز وارثی کو ناز ہے اپنے مقدّر پر
کہ وہ خادم رہا تھوڑے دنوں مرحوم سائلؔ کا

جو قُرب کی حسرت رکھتے ہیں کیا دُور نہیں سے رہتے ہیں
اتنا تو بتائیں آپ ذرا کیا عشق اِسی کو کہتے ہیں
دریائے طلب میں کشتی کا لنگر ہے تمہارے ہاتھوں میں
جس سمت بہایا کرتے ہو اس سمت ہمیشہ بہتے ہیں
ممکن ہے مریضانِ غم کا کچھ آج مداوا ہو جائے
روداد تمہاری محفل میں ہم آج تمہیں سے کہتے ہیں
وہ اور زمانہ تھا اپنا ناسور جگر کے رِستے تھے
یہ اور زمانہ ہے اپنا ناسور جگر کے بہتے ہیں
جنّت کی تمنّا مجھ کو نہیں فردوس کی خواہش دلکو نہیں
ہر وقت عزیزؔ ان کے جلوے آنکھوں میں سمائے رہتے ہیں

بعد مدّت یہ تری چشم عنایت دیکھی
شامِ فرقت کے عوض صبح مسرت دیکھی

خُم شکستہ تھا سبو چور تھے میخانے میں
ہم جو اک روز نہ پہونچے تو یہ صورت دیکھی

خوش خرامی پہ تری مُردہ جیئے زندہ مَرے
حشر کے ہونے سے پہلے یہ قیامت دیکھی

آپ کے ظلم و ستم چرخ کی بیداد و جفا
عشق میں جو بھی پھنسا اُس نے یہ آفت دیکھی

اہلِ میخانہ سے تفصیل کبھی پوچھیں گے
ہم نے جو زہدِ ریائی کی حقیقت دیکھی

جس کو آنکھوں سے مئے عشق پلادی تونے
اس پہ دن رات برستی ہوئی رحمت دیکھی

مانگ کر پی لی عزیزؔ آپ نے میخانے میں
بعد توبہ کے یہ ساقی کی کرامت دیکھی

ہر چیز میں پوشیدہ ضیا آپ ہی کی ہے
یہ جلوہ گری ہے کوئی یا فتنہ گری ہے

وہ بادہ جو خلوت میں کبھی میں نے پیا تھا
لائے ہوئے رنگ آج بھی جلوت میں وہی ہے

میں سوزِ غمِ عشق سے تو ہاتھ اُٹھا لوں
لیکن کہیں بھڑکی ہوئی آتش بھی دبی ہے

آجائے نہ لغزش کوئی تکمیلِ وفا میں
اس واسطے اب تیری خوشی میری خوشی ہے

گلشن بھی ہے صہبا بھی ہے مطرب بھی ہے ساقی
لا جلد پلا جام گھٹا جھوم رہی ہے

پامال نہ کیجئے اسے برباد نہ کیجئے
یہ میری تمنا ہے جو نازوں کی پلی ہے

کس طرح نظر اپنی عزیزؔ اُس سے چُرا لوں
فطرت مری پردے سے مجھے جھانک رہی ہے

نگہِ مست مری سمت اُٹھادی تونے
دِل کے میخانے کی بُنیاد ہلادی تونے
مہ و خورشید کو بے مثل ضیادی تونے
اپنی تصویر زمانے کو دِکھادی تونے
اُس کی نظروں میں نہیں عظمتِ ساغرِ ساقی
جس کو آنکھوں سے مئے عشق پلادی تونے
دِل جو مایوسِ تمنّا تو نگاہیں محروم
طالبِ دید کو کیا خوب سزادی تونے
نگہِ دوست تری گردشِ پیہم کے نثار
میری بگڑی ہوئی تقدیر بنادی تونے
حالِ زار اُس کا کسی سے نہیں دیکھا جاتا
جس کی ہر آرزو مٹی میں ملادی تونے
اُس کے جلوؤں کی حقیقت تو نہ تھی کچھ بھی عزیزؔ
دے کے دِل تابش و تنویر بڑھادی تونے

ہوائیں چل رہی ہیں آسماں پر ابر چھایا ہے
پیئے جاؤ پیئے جاؤ یہ فطرت کا تقاضا ہے
جو بحرِ عشق میں اُٹھ اُٹھ کے استقبال کرتی ہیں
اُنھیں امواجِ غم میں ڈوب جانے کا ارادا ہے
کہیں دنیائے اُلفت میں نہ اَب بھونچال آجائے
مریضِ شامِ فرقت دوسری کروٹ بدلتا ہے
اُسی نے مرتبہ مجھ کو وفا و عشق کا بخشا
تمھیں جس نے سراپا حُسن و شوخی سے نوازا ہے
محبت کے قلم سے صفحۂ دِل پر پتہ لکھ لو
عزیزِ وارثی بچھرائیوں کا رہنے والا ہے

زندگی موت کا پیغام ہوئی جاتی ہے
شام سے پہلے مری شام ہوئی جاتی ہے
انتہائے غمِ ایام ہوئی جاتی ہے
زندگی مخزنِ آلام ہوئی جاتی ہے
عشق پر بحث نہ فرماؤ زمانے والو
عشق کی رسم بہت عام ہوئی جاتی ہے
کل تو تقدیر کا شکوہ تھا تری محفل میں
آج تدبیر بھی ناکام ہوئی جاتی ہے
کیا قیامت ہے تری بزمِ طرب اہلِ خرد
ایک ہنگامۂ آلام ہوئی جاتی ہے

جفا پیشہ وفا دشمن ستمرانوں پہ کیا گذری
نہیں معلوم اپنے بعد بیگانوں پہ کیا گذری
ستم ہے شمع آزادی کو اپنا ماحصل جانا
غضب ہے یہ نہیں سوچا کہ پروانوں پہ کیا گذری
ہیں اب تک در بدر کی ٹھوکریں جن کے مقدر میں
کوئی اُن سے یہ پوچھے اُن کے کاشانوں پہ کیا گذری
ہوئی معدوم جب رسمِ محبت ابنِ آدم سے
عدم والوں سے پوچھو انکے ارمانوں پہ کیا گذری
عزیز اب بھی تجاہل عارفانہ کار فرما ہے
مرا دِل توڑ کر کہتے ہیں ارمانوں پہ کیا گذری

طبیعت راہِ اُلفت میں جہاں غمگین ہوتی ہے
وہیں کچھ کیف پاتا ہوں وہیں تسکین ہوتی ہے
بظاہر دل کی بربادی سے بڑھتی ہے پریشانی
بباطن دل کی بربادی سے کچھ تسکین ہوتی ہے
سمجھتا ہے وہی اسرارِ عالم کو زمانے میں
جسے آثارِ حرماں دیکھ کر تسکین ہوتی ہے
وہ جب تک مہرباں تھے رُوح پر صدمے گذرتے تھے
وہ اب نامہرباں ہیں رُوح کو تسکین ہوتی ہے
تمہارے تیرِ بیکاں کو محبت میں مرے دل سے
نکلتے آتے جاتے بیٹھتے تسکین ہوتی ہے
جو اُن کو خون کرنا ہے مری ہر اک تمنا کا
تصوّر کو بھی روکیں جس سے کچھ تسکین ہوتی ہے
مسرت میں ہوا کرتی ہے مضطر آرزو اکثر
مصیبت میں عزیزؔ انسان کی تسکین ہوتی ہے

دوریٔ جادہ رہی دشمن مرے دل کے لئے
ورنہ کیا کیا کوششیں کیں قربِ منزل کے لئے

المدد اے حسرتِ غرقابیٔ بحرِ الم
کون اپنی جان دے اب امنِ ساحل کے لئے

موجدِ جور و جفا ثابت ہوئے وہ عشق میں
میں نے چاہا تھا جنہیں آسائشِ دل کے لئے

بادہ نوشی جب نہیں ذکرِ مئے رنگیں سہی
شغل کچھ تو چاہیئے خوشنودیٔ دل کے لئے

منحصر تجھ پر ہی کیا ہے اے عزیزؔ وارثی
مضطرب اربابِ فن ہیں آج سائل کے لئے

ہم اپنی آہ کو قابو میں اپنے لا نہ سکے
چُھپائی لاکھ محبت مگر چھُپا نہ سکے

ہمیشہ چُنتے رہے تنکے ذوق و شوق میں ہم
مگر چمن میں کہیں آشیاں بنا نہ سکے

فنا کے بعد مآلِ وفا بھی دیکھ لیا
کہ چار اشک مرے غم میں تم بہا نہ سکے

کمالِ سجدہ سمجھ لیں کہ جذبِ جائے سجود
جبینِ شوق ترے در سے ہم اُٹھا نہ سکے

ہمیشہ بحرِ محبت میں غوطہ زن ہی رہے
کنارے کشتیٔ اُلفت کبھی لگا نہ سکے

ہم ان کے عشق میں پیوندِ خاک ہو کے رہے
مگر وہ قبر پہ دو پھول بھی چڑھا نہ سکے

تمام عہدِ گذشتہ کی داستاں کہہ دی
عزیزؔ حرفِ تمنا زباں پہ لا نہ سکے

جب تری نظریں مرے دِل کی نگہباں ہوگئیں
حسرتیں سازِ محبت پر غزل خواں ہوگئیں

خود بخود جو اپنے مرکز سے گریزاں ہوگئیں
صرف ایسی کشتیاں ہی نذرِ طوفاں ہوگئیں

جذبۂ دِل فرطِ الفت جوشِ وحشت ذوقِ دید
چند باتیں باعثِ تخلیقِ انساں ہوگئیں

اے جنونِ جوشِ وحشت میں ترا ممنون ہوں
ہجر کی بے چینیاں راحت بداماں ہوگئیں

باتوں باتوں میں کسی نے کہہ دیا مجھ کو عزیزؔ
عمر بھر کی مشکلیں اک پل میں آساں ہوگئیں

ہوئی ہے بے اثر میری فغاں یوں با اثر ہو کر
چھٹا ہوں قیدِ زنداں سے مگر بے بال و پر ہو کر
گذر جاتے ہیں رہروِ حالِ غم سے بے خبر ہو کر
پڑا ہوں اس گلی میں سایۂ دیوار و در ہو کر
چراغِ بزمِ عالم بن گیا ہر داغِ دل اپنا
طویل ایسا ہوا دِل کا فسانہ مختصر ہو کر
مجھے تو یہ ملا بے چینیاں کچھ بڑھ گئیں میری
تجھے کیا لطف آیا دردِ الفت بیشتر ہو کر
پہونچنا جس طرف مشکل ہے اہلِ عشق و الفت کا
یہ میرا حوصلہ ہے میں گذرتا ہوں اُدھر ہو کر
ہم اپنے جذبۂ دِل کا اثر اک دن دِکھا دیں گے
چمک اُٹھیں گی شامیں ہجر کی نورِ سحر ہو کر
مزا جب تھا عزیزِ وارثی عشق و محبت کا
مری آنکھوں میں رہتے کاش وہ میری نظر ہو کر

تمہارا تذکرہ دن رات ہوتا ہے جہاں اب تک
وہیں دہرائی جاتی ہے ہماری داستاں اب تک

طریقِ عشق جانو یا ثبوتِ بندگی سمجھو
ازل سے قبلۂ ایماں ہے انکا آستاں اب تک

خدارا اے اجل آجا دلیلِ کارواں بن کر
بھٹکتا پھر رہا ہوں کارواں در کارواں اب تک

مٹانے کے لئے پیہم جفائیں کیں جفا جو نے
نمایاں ہیں مگر میری وفاؤں کے نشاں اب تک

جہانِ رنگ و بو میں کچھ عزیز ایسے بھی ہیں اپنے
چمن چھوٹا مگر بھولے نہیں ہیں آشیاں اب تک

ضرور کوئی کمی دورِ خوشگوار میں ہے
ہر ایک پھول تغیّر کے انتظار میں ہے
خدا کرے کہ سمجھ لیں یہ راز اہلِ چمن
حیات و موت مشیّت کے اختیار میں ہے
خزاں کو بھول گئے ہوں گے بھولنے والے
ہمارا حال وہی آج بھی بہار میں ہے
بنیں گے رند ہی مختارِ میکدہ ساقی
یہ اور بات ہے اب تیرے اختیار میں ہے
نہیں ہیں چشمِ حقیقت سے دیکھنے والے
مرے جگر کا لہو بھی نہاں بہار میں ہے
مری نگاہ میں اُس کا کوئی وقار نہیں
وہ اہلِ دل جو ابھی دل کے اختیار میں ہے
نشاط و عیش کی محفل میں بیٹھنے والے
عزیزؔ لطف تو آلامِ روزگار میں ہے

جس دن سے کوئی مائلِ صد التفات ہے
میں یہ سمجھ رہا ہوں مری کائنات ہے
سُننے کی بات ہے نہ سُنانے کی بات ہے
اُن کے ہمارے عشق کی جو واردات ہے
کیا اُن کا فیضِ عام ہے کیا انکی بات ہے
دامن ہے ایک اور زمانے کا ہات ہے
دنیا سمجھ رہی ہے جسے سرگذشت عشق
میری سرشت میں وہ مری کائنات ہے
دیکھی ہیں میں نے عشق و محبت کی منزلیں
یہ خوفناک دن ہے وہ تاریک رات ہے
کلیاں خموش برگ پریشاں اُداس پھول
گلشن کے اہتمام میں گلچیں کا ہات ہے
شمس و قمر عزیز ہیں حُسنِ چمن عجیب
لیکن جمالِ دوست کی کچھ اور بات ہے

خوشی کے لفظ بھی کچھ غم کے افسانے میں رکھ دینا
با الفاظِ دِگر کعبے کو بُت خانے میں رکھ دینا
کبھی بیمارِ الفت پر نگاہِ لطف فرما کر
بنائے گلستاں اے دوست ویرانے میں رکھ دینا
عنایت ہو سرِ محفل مگر بے التفاتی سے
غرض کچھ تلخیِ غم میرے پیمانے میں رکھ دینا
اُدھر بیباک نظریں ہوں اِدھر دزدیدہ نظریں ہوں
ذرا سا فرق اپنے اور بیگانے میں رکھ دینا
عزیزِ وارثی منظور ہو جب دل کا نذرانہ
حضورِ حُسن اپنی جان شکرانے میں رکھ دینا

آفت بدوش عالمِ گلشن ہے آج کل
اہلِ چمن کو فکرِ نشیمن ہے آج کل
ہر ذرّہ اس جہان کا دشمن ہے آج کل
پژمردہ اپنی زیست کا گلشن ہے آج کل
صیاد میرے سامنے ذکرِ چمن فضول
مجھ کو مرا قفس ہی نشیمن ہے آج کل
تم جس کو دل سمجھتے ہو اپنے خیال میں
میری نظر میں عشق کا مدفن ہے آج کل
کاشانۂ حیات میں مہمان ہے کوئی
ہر سانس مثلِ وادیٔ ایمن ہے آج کل
لِلّٰہ اے ندیم مری داستاں نہ پوچھ
بجلی کی زد میں میرا نشیمن ہے آج کل
یہ فکر ہے کہ ہوتا ہے اب کیا مآلِ زیست
میرا عزیز بھی مرا دشمن ہے آج کل

نقاب اُٹھاؤ تو ہم بھی دیکھیں نظر ملاؤ تو ہم بھی جانیں
بنایا ہوگا کسی کو بیخود ہمیں بناؤ تو ہم بھی جانیں
غمِ محبت ہمارے دل سے اگر مٹاؤ تو ہم بھی جانیں
ہماری محفل سے جانِ عالم جواب نہ جاؤ تو ہم بھی جانیں
سُنا ہے تم نے کلیم کو طور پر بنایا تھا محوِ حیرت
وہی تماشہ وہی مناظر ہمیں دکھاؤ تو ہم بھی جانیں
سرور کی انتہا ہو لیکن رہے طلب میکشوں کے دلمیں
کچھ اس ادا سے بفرطِ اُلفت ہمیں پلاؤ تو ہم بھی جانیں
جگائے ہونگے نصیب لاکھوں بنائے ہونگے عزیز لاکھوں
نگاہِ اُلفت ہماری جانب اگر اٹھاؤ تو ہم بھی جانیں

دمِ آخر عیادت کے لئے کوئی شتاب آیا
بعنوانِ دِگر نالا ہمارا کامیاب آیا
اُدھر ان کے لڑکپن میں نرالا انقلاب آیا
اِدھر میری تمنائے محبت پر شباب آیا
ضرور اس میں بھی کوئی مصلحت ہے اے دلِ ناداں
کہ میری التجائے شوق پر ان کو عتاب آیا
تعجب ہے ہوئی لغزش نہ پھر بھی پایۂ توبہ کو
ہزاروں بار میرے سامنے جامِ شراب آیا
نہیں محدود کوہِ طوُر تک ہی جلوۂ جاناں
جہاں بھی دیکھنا چاہا نظر وہ بے نقاب آیا
دکھائی کامیابی گردشِ تقدیر نے مجھ کو
خدا کا شکر ہے منزل پہ اپنی کامیاب آیا
عزیزؔ وارثی کچھ حد بھی ہے اس مے پرستی کی
اگر مسجد میں تو آیا بھی تو پی کر شراب آیا

محبّت میں یہ کم سے کم چاہتا ہوں
تمہاری نگاہِ کرم چاہتا ہوں
مجھے اور کوئی تمنا نہیں ہے
تمہیں کو تمہاری قسم چاہتا ہوں
محبت میں ان کی پئے راحتِ دل
فزوں اور درد و الم چاہتا ہوں
ذرا ضبط سے کام لے جوشِ گریہ
میں الفت کا اپنی بھرم چاہتا ہوں
پئے ذوقِ سجدہ رہِ آرزو میں
عزیزؔ اُن کے نقشِ قدم چاہتا ہوں

کم نہ سمجھے اے دوست آلامِ جہاں میرے لئے
تو نے بھی مخصوص رکھے امتحاں میرے لئے

اب مری دیوانگی کا وہ اُڑاتے ہیں مذاق
جن کی الفت ہے متاعِ دو جہاں میرے لئے

اللہ اللہ ذوقِ سجدہ کتنا لامحدود ہے
ہر قدم پر ہے کسی کا آستاں میرے لئے

روکتا ہے آہ کو وہ جاذب کرتی ہے یہ اشک
اب زمیں میرے لئے ہے آسماں میرے لئے

دیکھتا ہوں رات دن مَیں گردشِ شام و سحر
گوشۂ زنداں بنے گا گلستاں میرے لئے

حشر بھی اُٹھے مگر سجدے سے اٹھے گا نہ سر
کعبۂ دل ہے تمہارا آستاں میرے لئے

خون اگر روتے رہے تلوؤں کے چھالے اے عزیزؔ
ایک اک صحرا بنے گا گلستاں میرے لئے

یہ سوچا تھا ہم نے رہِ عاشقی میں شب روز اُن سے ملاقات ہوگی
خبر یہ نہ تھی انکی فرقت کے غم میں کہیں دن کٹے گا کہیں رات ہوگی

جہانِ محبت میں اے جذبۂ دل خدا کی قسم وہ عجب رات ہوگی
کسی مہ جبیں سے کسی مضطرب کی بڑے شوق سے جب ملاقات ہوگی

یہ کالی گھٹائیں یہ موسم سہانا یہ ساقی یہ صہبا یہ ساغر یہ مینا
گلے مل گئے جو یہ اک دوسرے سے تو کیا خاک جانے برسات ہوگی

زمیں کی بلائیں فلک کی جفائیں یہ پر پیچ منزل کی پُر خوف راہیں
ہر اک گام پر خود ہی رہبر بنیں گی جو ہمراہ میرے تری ذات ہوگی

عزیز اُن کے مُبہم تصور سے اکثر عجب بیخودی دل پہ ہوتی ہے طاری
کسی دن اگر سامنے آ گئے وہ تو کس طرح اُن سے مری بات ہوگی

شکار تیری نگاہ کا ہوں ادائے مژگاں کا ہوں نشانہ
اگر ہو ترکش میں تیر باقی تو بے دھڑک اِدھر چلانا

بہت رُلاتا ہے یاد آتا ہے ان کی اُلفت کا جب زمانہ
شبِ جُدائی میں دردِ دِل کا کبھی اٹھانا کبھی بٹھانا

کہاں کی مسجد ہے کیسا کعبہ ہیں اِن مقاموں سے بے خبر ہوں
کسی کے قدموں پہ سر جھکا کر نماز پڑھتا ہوں پنجگانہ

عجیب مشکل میں پھنس رہا ہوں بڑی مصیبت کا سامنا ہے
وہیں سے سُننے کو وہ بضد ہیں جہاں سے بھولا ہوں میں فسانہ

نظر اسی پر ہے باغباں کی فلک کو بھی وہ کھٹک رہی ہے
چمن میں جس شاخ پر بنا ہے قریبِ گل میرا آشیانہ

تم اپنے در سے اُٹھاؤ مجھ کو میں خوش ہوں لیکن بتاؤ مجھ کو
تمہارے در کے علاوہ کوئی مری نظر میں ہے آستانہ

نہ فکرِ دنیا نہ خوفِ محشر نہ رنج و حرماں سے واسطہ ہے
ملا ہے جب سے عزیزؔ مجھ کو جنابِ وارثؔ کا آستانہ

اُٹھے روزِ حشر لیکن نہ اُٹھے گا وہ یہاں سے
جسے خاص نسبتیں ہیں ترے سنگِ آستاں سے

مرے ہی نصیب میں تھی دو جہاں کی بد نصیبی
نہ زمیں سے کچھ شکایت نہ گلہ ہے آسماں سے

مرا ہر قدم ہے منزل مرا ہر قدم ہے جادہ
کوئی واسطہ نہیں ہے مجھے میرِ کارواں سے

شب و روز آشیانہ جو بہار میں سجاتے
وہ بہار میں چلے ہیں سوئے دشت گلستاں سے

یہی وقتِ مصلحت ہے کہ ہم انتظام کر لیں
کہیں دور کوندتی ہے کوئی برق آشیاں سے

سرِ بزم ہنس رہے ہو مری خامشی پہ ناحق
کبھی دل دہل گئے ہیں بخدا مرے بیاں سے

جسے کر رہی ہے سجدہ شب و روز رُوحِ بیدم
ہمیں ہے عزیز نسبت اُسی خاکِ آستاں سے

جانِ نذرِ شباب ہو کے رہی
زندگی کامیاب ہو کے رہی
میری جانب جو اُٹھ گئی تھی کبھی
وہ نظر لاجواب ہو کے رہی
ہستیٔ عشق میں اک دن
مخزنِ پیچ و تاب ہو کے رہی
بعد توبہ کے اور بھی ساقی
میری حالت خراب ہو کے رہی
ان کی محفل میں بیکسی میری
باعثِ انقلاب ہو کے رہی
فصلِ گل میں مزے اُڑائیں گے
یہ تمنّا بھی خواب ہو کے رہی
کہہ دیا بے حجاب اُن کو عزیزؔ
آرزو بے نقاب ہو کے رہی

محبّت یوں تو کہنے کو بلائے ناگہانی ہے
محبّت ہی سے لیکن آدمی کی زندگانی ہے

تمہارے دل میں گنجائش اگر ہو تو جگہ دے دو
مجھے اپنے دلِ مرحوم کی تربت بنانی ہے

خوشی یا رنج مستقبل پہ کیسا اے دلِ ناداں
وہ آکر ہی رہے گی ایک دن جو پیش آنی ہے

جفا و جور کیوں مجھ کو نہ راس آئیں محبت ہیں
جفا و جور کے پردے میں شانِ مہربانی ہے

اِدھر کہتا ہے ترکِ بادہ نوشی کیلئے زاہد
اِدھر ساقی ہے ساغر ہے شرابِ ارغوانی ہے

خیالِ معصیت کو چھوڑ بے خوف و خطر پی لے
ارے زاہد یہ مے ہرگز نہیں ہے سُرخ پانی ہے

عزیزِ وارثی ہر شعر اک طوفان ہے اُس کا
جنابِ نوح کی دن رات جس پر مہربانی ہے

اپنی ہستی مٹاؤں کیونکر میں
تجھ کو اپنا بناؤں کیونکر میں

تابِ جلوؤں کی لاؤں کیونکر میں
ان کی محفل میں جاؤں کیونکر میں

خوفِ افشائے راز ہے مجھ کو
داغِ دل کے دکھاؤں کیونکر میں

یاد آتی ہے بار بار تری
پھر تجھے بھول جاؤں کیونکر میں

بادِ صرصر کا خوف برق کا ڈر
گھر چمن میں بناؤں کیونکر میں

حُسن کی بات بھی ہے مدِّ نظر
عشق کو آزماؤں کیونکر میں

جرأت گفتگو نہیں ہے عزیزؔ
قصۂ غم سُناؤں کیونکر میں

مخمّس

قطعہ

چشم پُر آب ابھی اپنا بُرا حال نہ کر
مُفت میں عشق کے جذبات کو پامال نہ کر
میں تو پہلے ہی سے کنگال ہوں اے محرمِ راز
اور اب اشک بہا کر مجھے کنگال نہ کر

تضمین بر غزل حقائق و معارف آگاہ حاجی حضرت اوگھٹ شاہ صاحب وارثی بچھرایونی

مٹایا شیخ و برہمن کا تفرقہ ہم نے
کیا خیال حرم میں بھی دیر کا ہم نے
وفا کا درس زمانے کو دیدیا ہم نے
رہا نہ ہوش کیا عشق میں یہ کیا ہم نے
بتوں کو سجدہ کیا جان کر خدا ہم نے

تمہاری لطف بھری شوخیوں کی ہم کو قسم
سہے ہزاروں مصائب اٹھائے سینکڑوں غم
خدا گواہ تعجب مگر یہ ہے پیہم
تمہیں تو آگئے دو دن میں جور و ظلم و ستم
تمام عمر میں سیکھی ہے اک وفا ہم نے

رہا خیال نہ کچھ بھی ہوئے کچھ ایسے مست
سماتے کیا نگہِ شوق میں بلند و پست
مگر ہے قابلِ تعریف پھر بھی بود و ہست
ہزار حیف نہیں کچھ خطر کہ روزِ الست
اسی زباں سے کہا تھا بلیٰ بلیٰ ہم نے

جمالِ دوست ہوا جب قریب اے واعظ
ہزاروں ہو گئے اپنے رقیب اے واعظ
رہا عجیب مگر پھر عجیب اے واعظ
بتوں کا عشق ہوا جب نصیب اے واعظ
کہ مدتوں کیا پہلے خدا خدا ہم نے

قرار صبر تمنّا مراد ارماں بھی
نشاط و عیش سکونِ نظر کا ساماں بھی
عزیز عشق و محبت میں دل بھی اور جاں بھی
سُنا ہے کہتا تھا اوگھٹ کہ دین و ایماں بھی
نثار حضرتِ وارث پہ کر دیا ہم نے

تجھے راہبر جس نے مانا نہیں ہے
اُسے اپنی منزل پہ آنا نہیں ہے
حقیقت ہے یہ اک فسانہ نہیں ہے
جو تیری نظر کا نشانا نہیں ہے
اُسے دو جہاں میں ٹھکانا نہیں ہے

یہ کوتاہی سعی و ہمّت ہے ورنہ
یہ محرومیٔ فکر و قسمت ہے ورنہ
یہ کم بختیِ یاس و حسرت ہے ورنہ
یہ نافہمیِ ذوقِ اُلفت ہے ورنہ
ترا کس جگہ آستانہ نہیں ہے

عبث ہے تجھے اب تمنائے منزل
رہِ عشق میں ہر قدم پر ہے مشکل
غم و رنج و آلام ہوتے ہیں نازل
پہونچنا وہاں غیر ممکن ہے اے دِل
ہمارا جہاں آب و دانہ نہیں ہے

بہ ذوقِ عشق و اُلفت ہے یقیناً کامراں ہوگا
نشانِ بے نشاں ہوکر عیاں اپنا نشاں ہوگا
رہِ اُلفت میں جو کانٹا ہے وہ بھی گلستاں ہوگا
بفرطِ غم دلِ محزوں اگر محوِ فغاں ہوگا
مری حدِ نظر تک آشیاں ہی آشیاں ہوگا
جمالِ دوست ہر تصویر سے اے دل عیاں ہوگا
نظر مسرور ہوگی اور نفس بھی شادماں ہوگا
جسے ظلمت کدہ کہتے ہیں وہ اب ضوفشاں ہوگا
مرا ذوقِ جبیں سائی یقیناً کامراں ہوگا
میں جس ذرّے کو چاہوں گا وہ تیرا آستاں ہوگا
نشاط و عیش میں جو خاص اپنا رازداں ہوگا
نشاط و عیش میں جو خاص اپنا پاسباں ہوگا
نشاط و عیش میں جو خاص اپنا دلستاں ہوگا
نشاط و عیش میں جو خاص اپنا مہرباں ہوگا
مصیبت آئی تو پہلے وہی دامن کشاں ہوگا

خدا کے لئے میری سُن لیجئے گا
مرا دامنِ عشق بھر دیجئے گا
بہ اُلفت گریبانِ دل سیجئے گا
کرم کیجئے گا ستم کیجئے گا
کسی اور سے دِل لگانا نہیں ہے

رہے حشر تک یہ جوانی سلامت
تمنائیں زندہ ہیں جس کی بدولت
جواں میری حسرت جواں میری ہمت
بچالوں حسینوں سے دامانِ اُلفت
عزیزؔ آج کل وہ زمانہ نہیں ہے

جو دنیائے تمنا کی تمنا سے ہے بیگانہ
جو اپنی جان کھو دیگا کسی دن مثلِ پروانہ
جلی حرفوں میں لکھا جائیگا اب جسکا افسانہ
وہ دیوانہ جسے کہتی ہے دنیا تیرا دیوانہ
مری صورت وہ کوئی یوسفِ بے کارواں ہوگا

دلِ رنجور کو اب اور کیوں رنجور کرتے ہو
سکون و عشق کے لمحات سے کیوں دُور کرتے ہو
جو داغِ دل ہیں اب انکو چراغِ طور کرتے ہو
مجھے رودادِ دل کہنے پہ کیوں مجبور کرتے ہو
مرا اک ایک آنسو میرے غم کی داستاں ہوگا

جو مطمئن ہے اُسے محوِ اضطراب کرے
جو پارسا ہے اُسے مائلِ شراب کرے
جہانِ عشق کے ذرّوں کو آفتاب کرے
نظر جدھر بھی کوئی پیکرِ شباب کرے
سکوں بدوش زمانے میں انقلاب کرے
جو پہلے میری طرح خود سے اجتناب کرے
جو پہلے میری طرح تجھ کو انتخاب کرے
جو پہلے میری طرح عشق بے حساب کرے
جو پہلے میری طرح زندگی خراب کرے
رُخِ جمیل کے جلووں کو بے نقاب کرے
ترے جمال کی بہتر دلیل ارض و سما
فلک پہ چاند ستارے ہیں تیری خاص ضیا
ہر اک چیز بتاتی ہے آج تیرا پتا
گلوں میں تیری تجلی چمن میں حُسن ترا
نگاہِ عشق بھلا کس کو انتخاب کرے

شبِ فراق میں جو محوِ رنج و غم ہے ابھی
کھلی نہیں ہے محبت میں جسکے دِل کی کلی
خوشی کا نام سنا ہے خوشی نہیں دیکھی
لگا رہا ہے جو الفت میں جان کی بازی
خدا اُسے ہی محبت میں کامیاب کرے

ہو وقتِ شام ظہور سحر یہ ناممکن
ضیا فروش ہو دن میں قمر یہ ناممکن
درِ حضور سے اُٹھ جائے سر یہ ناممکن
غمِ فراق گوارا مگر یہ ناممکن
عزیز عشق و محبت سے اجتناب کرے

محبت کے ہر اک پہلو کو میرا دل سمجھتا ہے
انھیں لیلےٰ اور اپنے آپ کو محمل سمجھتا ہے
فدا ہونا حسینوں پر نہ یہ مشکل سمجھتا ہے
جہاں میں اب جسے بھی پیار کے قابل سمجھتا ہے
حقیقت میں اسی کو زیست کا حاصل سمجھتا ہے

کہاں میں افتخارِ جادہ و منزل سمجھتا ہوں
کہاں میں عقدۂ کشتی کہاں ساحل سمجھتا ہوں
رموزِ آرزو کو سر بسر مشکل سمجھتا ہوں
رہِ اُلفت میں جس ذرّے کو اپنا دل سمجھتا ہوں
وہی ذرّہ مجھے بیگانۂ منزل سمجھتا ہے

جھکائی میکدے کے در پہ کب اپنی جبیں اس نے
نظر بھر کر نہیں دیکھی کوئی صورت حسیں اس نے
دکھائی پینے والوں کو نگاہِ خشمگیں اس نے
مرے ساقی کے ہاتھوں سے کبھی پی ہی نہیں اس نے
جو اب تک کیفِ مے کو نشۂ باطل سمجھتا ہے

جیسے سب لوگ ذوق و شوقِ بے پایاں سمجھتے ہیں
جیسے سب لوگ اپنا باعثِ نقصاں سمجھتے ہیں
جیسے سب لوگ غرقابی ہی تا امکاں سمجھتے ہیں
جیسے سب لوگ بحرِ عشق میں طُوفاں سمجھتے ہیں
مرا دل ہے کہ اس طوفان کو ساحل سمجھتا ہے

نہ آنا تھا نہ آئے اب نہ مجبوری جتاؤ تم
تسلّی کے لئے بہم قسم میری نہ کھاؤ تم
نہ اب آنکھیں چُراؤ تم نہ اب باتیں بناؤ تم
عزیزِ وارثی کی سادہ لوحی پر نہ جاؤ تم
شروعِ حال میں انجامِ مستقبل سمجھتا ہے

شیفتہ رہ کے بدلتی رہی صورت کیسی
شومئ بخت نے پلٹی تری قسمت کیسی
بڑھ گئی اپنے پرایوں کی عداوت کیسی
دیکھ ہر چیز کو تجھ سے ہوئی نفرت کیسی
اب تو سمجھا دلِ شیدا ہے محبت کیسی

کون سے روز کا یہ فرض ادا ہوتا ہے
مرا ہر سانس ترے غم سے جُدا ہوتا ہے
نشۂ بادہ کشی اور سوا ہوتا ہے
بے طلب آج مجھے جام عطا ہوتا ہے
آج کیا بات ہے ساقی یہ عنایت کیسی

عشق و اُلفت میں اذیت ہے عنایت اے دل
عشق و اُلفت میں عداوت ہے محبت اے دل
عشق و اُلفت میں ملامت ہے نصیحت اے دل
عشق و اُلفت میں جفاؤں کی شکایت اے دل
عشق و اُلفت کی ہے توہین شکایت کیسی

ہو کے محجوبِ وفا دل میں خطا پوش بھی ہو
متحیّر ہو بہت کھوئے ہوئے ہوش بھی ہو
یاس و حرماں کے زمانے سے ہم آغوش بھی ہو
شرم آلود نگاہیں بھی ہیں خاموش بھی ہو
آج تم نے یہ بنا رکھی ہے صورت کیسی

یہ تصوّر نہ کبھی تھا نہ کبھی مجھ کو گماں
غم مٹا دیتا ہے دُنیا سے مسرت کا نشاں
ہو گیا اور فلک اور زمیں اور جہاں
کل تھے وہ جانِ عزیز آج ہیں وہ دشمنِ جاں
ہائے دو روز میں پلٹی مری قسمت کیسی

تضمین بر غزل حضرت شکیلؔ صاحب

ہر وقت اضطراب کی حالت ہے کیا کروں
پھر بھی کسی سے مجھ کو محبت ہے کیا کروں

روزِ ازل سے یہ مری فطرت ہے کیا کروں
ظالم کے اعتبار میں لذت ہے کیا کروں
آنکھوں کو انتظار کی عادت ہے کیا کروں

دِل میں تڑپ جگر میں خلش اور چشم نم
اِس سمت ایک جان اُدھر کثرتِ الم
بیکس کے حالِ زار پہ اللہ رے ستم
وہ جا رہے ہیں میرے تصوّر سے شامِ غم
پھر اس کے بعد صبح قیامت ہے کیا کروں

شوخی کا شکریہ نہ اداؤں کا شکریہ
غمزوں کا شکریہ نہ وفاؤں کا شکریہ
موسم کا اور نہ مست فضاؤں کا شکریہ
منہ سے نکل گیا تھا جفاؤں کا شکریہ
اُس دن سے بے وفا کو شکایت ہی کیا کروں

شاعر ہو اے عزیز نکالو کوئی سبیل
رہ جائے اب نہ دل میں کہیں حسرتِ جمیل
اُلفت کے انقلاب کی شاید ہو یہ دلیل
دُنیا بدل نہ جائے یہ ڈر ہے مجھے شکیلؔ
بدلی ہوئی کسی کی طبیعت ہے کیا کروں

تضمین بر غزل حضرت اسد صاحب

معاذ اللہ تصوّر میں بھی وہ آیا نہیں کرتے
دلِ محزوں کو شامِ غم بھی سمجھایا نہیں کرتے
گذشتہ وارداتِ عشق دُہرایا نہیں کرتے
شکایت کیا لبوں پر آہ بھی لایا نہیں کرتے
محبت کرنے والے غم سے گھبرایا نہیں کرتے

یہ بحرِ کیف و مستی ہے یہاں بے واسطہ بہنا
یہ دنیائے محبت ہے یہاں کا ہر ستم سہنا
یہ ہشیاروں کی محفل ہے یہاں کچھ سوچ کر کہنا
یہ بزمِ ساغر و مینا ہے واعظ ہوش میں رہنا
یہاں بے کیف افسانوں کو دہرایا نہیں کرتے

جنہیں غم کی فضائیں بخشدیں امکانِ سرمستی
جنہیں ان کی ادائیں بخشدیں ایمانِ سرمستی
جنہیں پیہم جفائیں بخشدیں طوفانِ سرمستی
جنہیں اُن کی نگاہیں بخشدیں عرفانِ سرمستی
وہ دیوانے فریبِ ہوش میں آیا نہیں کرتے

ترے قدموں پہ سر رکھنا مری دیرینہ فطرت ہے
یہی میری عقیدت ہے یہی میری محبت ہے
دلِ درد آشنا اُلفت میں یہ تکمیلِ اُلفت ہے
حرم ہو دیر ہو کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے
خلوصِ دل کے سجدے رائگاں جایا نہیں کرتے

رہِ اُلفت میں ہوتا ہے تقاضا اب یہ خلوت کا
گماں ہونے لگے صورت پہ اپنی انکی صورت کا
عزیزِ وارثی یہ شعر ہے پختہ عقیدت کا
اسد موقع ملے تو کیا ملے عرضِ محبت کا
ہم اُن کو پا کے اپنے آپ کو پایا نہیں کرتے

نظمیں

قطعہ

جن کی قسمت میں سیکڑوں غم ہیں
آج دُنیا میں صرف وہ ہم ہیں
جی رہے ہیں ہم ایسے عالم میں
واقعی یادگارِ عالم ہیں

سُلطانِ مدینہ

اے فخرِ رُسُل اِن دنوں دشوار ہے جینا
منجدھار میں ہے اب تری اُمّت کا سفینہ

حیدر کی شجاعت دلِ مُسلم کو عطا کر
محبوبِ خدا ماہِ عرب شاہِ مدینہ

فاروق سے رہبر کی ضرورت ہے جہاں کو
کچھ لوگ یہاں رکھتے ہیں اپنوں سے ہی کینہ

ہیں صاحبِ ایمان ہی ایمان کے دشمن
پھولوں کا اسی غم میں یہاں چاک ہے سینہ

ہر شخص یہاں آج ہے آلودۂ عصیاں
ہر شخص کی تادیب ہو سُلطانِ مدینہ

اُس دل کو تمنّا ہی نہیں لعل و گہُر کی
جو دِل ہے محمد کی محبّت کا خزینہ

مشرب ہی زمانے سے عزیزؔ اپنا جُدا ہے
کہتے ہیں درِ یار کو ہم اپنا مدینہ

یا وارث

خزانے میں تمہارے کیا نہیں موجود یا وارث
مری مشکل بھی حل کر دو مرے مشکل کشا وارث

خدا کے واسطے بھر دو مری اُمّید کا دامن
یہی میری تمنا ہے یہی ہے التجا وارث

ہزاروں حسرتیں لے کر تمہارے در پہ آیا ہوں
انھیں پورا کرو ورنہ یہیں مٹ جاؤنگا وارث

اُسے کیا خوف عصیاں کا اُسے کیا ڈر قیامت کا
کہا ہے عمر بھر جس نے زباں سے اپنی یا وارث

عزیزِ وارثی کو آپ بھی تو جانتے ہونگے
جو کہتا ہے مرا مولا مرا آقا مرا وارث

دیوے کے بسیّا

مجھ پر بھی کرم کیجیو دیوے کے بسیّا .... دیوے کے بسیّا
اب آن پڑی ہے مری منجدھار میں نیّا .... منجدھار میں نیّا
آجاؤ مری کشتیِ اُمیّد ترا دو .... اب پار لگا دو
کہتا ہے زمانہ تمہیں نیّا کا کھویّا .... دیوے کے بسیّا
ہے تیز نفس اور فزوں دردِ والم ہے .... اب آنکھوں میں دم ہے
لے لیجیئے بیمارِ محبّت کی خبریا .... ہو ہم پہ نجریا
حاجی بھی ہو سیّد بھی ہو وارث بھی ہو آقا .... عالم کے ہو داتا
بگڑی کو بنا دو مری بگڑی کے بنیّا .... دیوے کے بسیّا
محشر میں کہیں آپ اسے بھول نہ جانا .... نظریں نہ چرانا
دُنیا میں عزیزؔ آپ کا ہے نام لویّا .... دیوے کے بسیّا

باباگرونانک

آشنائے رازِ وحدت گنجِ اسرارِ خفی
دولتِ عرفاں بعنوانِ دگر تجھ کو ملی
راحتِ قلب وجگر محرابِ دل کے پیشِ امام
نیک فطرت نیک خصلت نیک صورت نیک نام
دردمندوں کے مسیحا بیکسوں کے چارہ گر
شام کی تاریکیوں میں جلوۂ نورِ سحر
قافلہ سالارِ مستاں ناخدائے ملک و قوم
خضرِ منزل رہبرِ دانا عصائے ملک و قوم
سر پہ دستارِ فضیلت رُخ پہ نورِ کائنات
واقعی صد لائقِ تعظیم تھی تیری حیات

لفظِ اُلفت کی مکمل شرح اک تیرا وجود
عاشقی میں توڑ ڈالے عشق و اُلفت کے حدود

تھا توکل اور استغنا شعارِ زندگی
بھوک کی شدّت میں اک دانے کی بھی خواہش نہ کی

تیرے قدموں پر شہنشاہوں کی پیشانی جُھکی
الغرض ہستی تری صد لائقِ تحسین تھی

پیشوا رہبر گروُ درویش عامل اور فقیر
تجھ کو حاصل تھے یہ رُتبے اے امیروں کے امیر

ہیں عمل پیرا تری تعلیم پر اہلِ تمیز
اس لئے ہیں آج بھی دنیا میں وہ ہر دلعزیز

مہاتما گاندھی

اب کیف نہیں اب لطف نہیں اب عیش نہیں آرام نہیں
میخانۂ فطرت میں جیسے وہ صبح نہیں وہ شام نہیں

موسم بھی وہی گلشن بھی وہی صہبا بھی وہی مینا بھی وہی
لیکن یہ مناظر کچھ بھی نہیں جب ساقیِ نیک انجام نہیں

اے ملک کے پیارے کیا کہنا بھارت کے دُلارے کیا کہنا
یُوں دیس کے اوپر مر مٹنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں

تاریخِ جہاں دہرائیگی ہر دَور میں تیرے مقصد کو
اے ہند کے باپو مر کر بھی تجھ نام ترا گمنام نہیں

لذاتِ جہاں کو ترک کیا اللہ سے رشتہ جوڑ لیا
ہر شخص کو کیونکر مل جاتی یہ دولتِ عرفاں عام نہیں

اے پیرِ مغاں کیا کہئے تجھے وہ بادۂ عرفاں برسایا
اب بادۂ اُنس و اُلفت سے محروم کسی کا جام نہیں

گو باغِ سیاست میں اب بھی انجم تو فروزاں ہیں لاکھوں
افسوس عزیزؔ اک اپنا وہی خورشید اثر گلفام نہیں

اے ہندوستاں کے پاسباں

تیری نظریں دُور بیں تیرا تخیّل کامراں
تیرا ہمسر تیرا ثانی آج دُنیا میں کہاں
زندہ باد اے گلشنِ ہندوستاں کے باغباں
اے جواہر لال اے روحِ وطن جانِ جہاں
مرحبا صد مرحبا بانیِ حیاتِ جاوداں
رہنمائے ملک و ملّت رہبرِ ہر کارواں
واقعی تو نے بنایا ہے زمیں کو آسماں
تیری ہمت نوجواں تیرے ارادے نوجواں
اے جواہر لال اے شیریں سخن جادو بیاں
مرحبا صد مرحبا بانیِ حیاتِ جاوداں

اپنے بیگانے پہ رہتا ہے ہمیشہ مہرباں
تیری ہستی درحقیقت شرحِ ناقوس و اذاں
تو چمن کی زندگی ہے تو بہارِ گلستاں
اے جواہر لال اے ہندوستاں کے پاسباں
مرحبا صد مرحبا پائی حیاتِ جاوداں

تو کسی کا دلربا ہے تو کسی کا دلستاں
گا رہے ہیں گیت تیرے مرد و زن خورد و کلاں
برہمن تیرا پجاری شیخ تیرا مدح خواں
اے جواہر لال اے حق آشنائے این و آں
مرحبا صد مرحبا پائی حیاتِ جاوداں

منصفی اخلاص اُلفت تیری صورت سے عیاں
راحتِ قلب و جگر ہے تیرا اندازِ بیاں
سیکڑوں کو تجھ پہ ہوتا ہے فرشتے کا گماں
اے جواہر لال اے پروردۂ امن و اماں
مرحبا صد مرحبا پائی حیاتِ جاوداں

فولادی لیڈر

وطن کی اس نئے انداز سے تنظیم کی تو نے
کہ ہر ذرّے کو بخشی ہے نرالی زندگی تو نے
تری سعیٔ مسلسل پر حکومت کیوں نہ ہو نازاں
جواں دل تو نے پایا اور عزمِ آہنی تو نے

دمِ تقریر ہر فقرہ بہت ممتاز رہتا ہے
جو دِل میں قصد ہوتا ہے وہی تو منہ سے کہتا ہے
اِنھیں پر منحصر کیا یہ زبان و دِل کی باتیں ہیں
تری تحریر سے بھی چشمۂ انصاف بہتا ہے

جو مشکل کام تھا اس کام کو آساں کیا تو نے
دریدہ دامنِ ہندوستاں کو سی دیا تو نے
تری جرأت پہ ہم مائل تری ہمت کے ہم قائل
سیاست میں سرِ منزل پہونچکر دم لیا تو نے

اتحاد

اتحادِ باہمی کو اور بھی محکم کریں
آؤ مل جُلکر گذشتہ جُرم کا ماتم کریں

کینہ سازی کی فضائیں درہم و برہم کریں
جو شریکِ غم نہ ہو اُس کو شریکِ غم کریں

کِبر و نخوت کے عوِض اب عاجزی پیہم کریں
آؤ مل جُلکر سرِ تسلیم ہم تم خم کریں

دیش کے نیتاؤں سے امداد کے طالب نہ ہوں
دیش کے نیتاؤں کی امداد ملکر ہم کریں

جمع ہو کر ایک مرکز پر محبّانِ وطن
کیا عجب ہے انسدادِ کاوشِ پیہم کریں

ناشناسیِ فرض

مجھ سے کہتا ہے بڑے ناز سے اک میرا عزیز
تجھکو اللہ نے بخشا ہے اگر حسنِ تمیز

اپنی ملت کی روایاتِ کہن تازہ کر
گلِ مضمون سے رودادِ چمن تازہ کر

دلمیں اک درد ہوا روح کا احساس بڑھا
سن کے ارشاد کسی کا یہ تخیل نے کہا

یہ تو عنوان نیا ہے اسے کس طرح لکھوں
دل ندامت سے گھٹا جاتا ہے جبیں ہے نگوں

اپنے اسلام کی تاریخ نہ دیکھی نہ پڑھی
عشق اور حسن کے افسانوں سے فرصت نہ ملی

عیش و تفریح میں سب عمر گنوائی میں نے
کون ہوں کیا ہوں یہ زحمت نہ اٹھائی میں نے

دن صنم خانے میں اور شب کٹی میخانے میں
سو تکلف رہے اللہ کے گھر جانے میں

میں نے سوچا نہیں شعبان کی عظمت کیا ہے
میں نے سمجھا نہیں رمضان کی حرمت کیا ہے

حسن سے عشق مئے ناب پہ دیوانہ ہوں
جو مرا فرض ہے اس فرض سے بیگانہ ہوں

دِوالی

گلوں پہ حُسن ہے غنچوں پہ نوجوانی ہے
چمن میں دیکھئے جس سمت شادمانی ہے
نگاہ شاد ہے دل مطمئن نفس مسرور
مہک رہی ہیں ہوائیں چہک رہے ہیں طیور
یہ رُوپ اور یہ رنگ اور نکھار کیا کہنا
بہار اور مکمل بہار کیا کہنا
جگہ جگہ جو منوّر ہے ضوفشاں قندیل
جہانِ حُسن کی ہر چیز ہے حسین وجمیل
یہ کون آیا ہے چودہ برس کے بعد یہاں
یہ کس نے آکے بنایا ہے مُردہ دل کو جواں
یہ رامچندر ہیں لکشمن ہیں اور سیتا ہیں
کہ جن پہ اہلِ نظر جان و دِل سے شیدا ہیں
اُنھیں کی وجہ سے تنویر پائی جاتی ہے
اُنھیں کے دَم سے دِوالی منائی جاتی ہے

ہلالِ عید

پُر فضا منظر سُہانا وقت کیفِ جاوداں
آسماں پر جلوہ گر ہے ایک کمسن کی کماں

ہیں وطن میں یُوں شگفتہ دل سب اربابِ وطن
لہلہاتا ہے کوئی بر سبات میں جیسے چمن

اے ہلالِ عید لے صبح مسرّت کے پیام
عرض کرتا ہوں ادب کے ساتھ میں تجھکو سلام

تو وفورِ عیش و عشرت کی عجب تمہید ہے
تیری آمد سے پتہ چلتا ہے صبح عید ہے

سال بھر کے واسطے مسرور کر جاتا ہے تُو
گو فلک پر چند لمحوں کے لئے آتا ہے تُو

چھوٹے بچّے بیٹھ جاتے ہیں در و دیوار پر
آسماں کی سمت سے ہٹتی نہیں ان کی نظر
نوجواں تجھ سے کہا کرتے ہیں اے ماہِ سعید
روز تیری دید ہو، ہوتی رہے روز اپنی عید
مالکِ ہر دو جہاں سے واسطہ دے کر ترا
پیر اپنی مغفرت کی مانگ لیتے ہیں دُعا
اہلِ ثروت کیلئے تو زیست کا پیغام ہے
اور مفلس کے لئے تو باعثِ آلام ہے
مہ جبینوں کی اداؤں کے نرالے طور ہیں
اہلِ دل کے آج جذباتِ محبت اور ہیں